کمرے میں جلنے والے ننھے سے بلب کی روشنی میں بہرحال وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

"کاش! اس وقت منور علی خان ہمارے ساتھ ہوتے.... ان کی رسی کو لٹکا کر ہم یہ اندازہ کر سکتے تھے کہ کتنی گہرائی میں پانی ہے.... بلکہ فاروق تو اس رسی کے ذریعے نیچے کی خبر تک لا سکتا تھا"۔

"ارے باپ رے"۔ فاروق کانپ گیا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"اس تاریکی میں رسی کے ذریعے نیچے اترنے کے خیال سے کپکپی آ گئی"۔ اس نے اور زیادہ کانپ کر کہا۔

"بس رہنے دو.... بڑے آئے کانپنے والے"۔

"کیا کہا.... بڑے آئے کانپنے والے"۔ انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں بالکل.... اور کیا کہوں اسے"۔

"ہم ایک رسی تیار کر سکتے ہیں"۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔

"کیا کہا فرزانہ.... ہم رسی تیار کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں.... لیکن اس کے ذریعے فاروق نیچے نہیں اتر سکے گا.... صرف پانی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے ہم.... وہ بھی اس صورت میں

کہ ہماری تیار کردہ رسی پانی تک جا سکے.... اگر نہ گئی تو پھر ہم اس طرح بھی معلوم نہیں کر سکیں گے"۔

"سوال یہ ہے کہ رسی کس طرح تیار ہو گی"۔

"ازار بندوں کے ذریعے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب.... ہم اپنی شلواروں سے ازار بند نکالیں اور شلواریں کس طرح اپنی جگہ پر رہیں گی"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

وہ ہنس پڑے.... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بہت خوب فرزانہ.... ان حالات میں تم نے بہت زوردار ترکیب سوچی.... شلواروں میں سے ازار بند نکالے جا سکتے ہیں اور وقتی طور پر شلواروں کو دھوتی کی طرح باندھا جا سکتا ہے"۔ انہوں نے وضاحت کی۔

انہوں نے ایسا ہی کیا.... اس طرح تمام ازار بند جوڑے گئے اور پھر نیچے لٹکائے گئے.... جب اس رسی کو اوپر کھینچا گیا تو رسی کا نچلا سرا گیلا نہیں تھا۔

"افسوس فرزانہ.... تمہاری ترکیب بے کار گئی"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"اس میں میرا کیا قصور؟" اس نے بھی برا سا منہ بنایا۔

"اب کیا کریں"۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"صبر"۔ فاروق بولا۔

یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ اس ریاست کے حکمران کو ہم
سے کیا دشمنی ہے.... نہ صرف ہم سے بلکہ باقی دو پارٹیوں سے بھی۔
پہلے اس نے ان دو پارٹیوں کو یہاں بلا کر قید کیا اور اب ہمیں قید کر
ڈالا.... اگرچہ اس نے ہمیں بلایا نہیں تھا.... اتنا ہے کہ بلائے جانے
جیسے حالات پیدا کر دیے تھے.... یعنی ہم یہاں آنے پر مجبور ہو گئے۔
اور انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ بھی چند دن سے تو یہاں ہیں ہی.... لیکن
اب تک وہ نکل نہیں پائے.... اس کا مطلب ہے.... ہم اس عمارت
سے فرار نہیں ہو سکتے"۔ انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو
گئے۔

"لیکن کیوں.... کیا ہم نے اس فرش میں سوراخ نہیں کر ڈالا....
تو دیوار میں سوراخ کیوں نہیں کر سکتے"۔

فرش میں سوراخ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا.... یہ بات
انہیں بھی معلوم تھی' لہٰذا انہوں نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ ہم
فرش پر سوراخ کر لیں گے.... لیکن اگر ہم دیوار میں سوراخ کر کے فرار
ہو سکتے ہیں' تب انہوں نے اس بات کا خیال ضرور رکھا ہو گا.... ا....
میرا خیال ہے.... ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے.... اس کے علاوہ
عمارت سے باہر فوج بھی موجود ہے.... جو عمارت کے چاروں طرف
مورچے کھودے بیٹھی ہے.... ہم ان لوگوں کو دیکھ چکے ہیں.... ہم و....
سے جنگ کرنے کی پوزیشن میں اس لیے نہیں کہ اس ریاست کے

بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے.... اگر کسی طرح ہم فوج کو چکر دے کر
یہاں سے فرار بھی ہو جائیں.... تو کیا ہو گا.... یوں ہم فرار ہونے کے
قابل ہیں ہی نہیں.... ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے
پر پہنچا ہوں کہ ہمیں ان کی بات ماننا ہو گی"۔

"ان کی بات.... کون سی بات؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"جو بھی ان کا مطالبہ ہے.... آخر ہمیں یہاں جمع بلاوجہ تو نہیں
کیا انہوں نے"۔

"ہاں! یہ تو ہے"۔

عین اس وقت کمرے میں آواز گونجی۔

"بالکل ٹھیک نتیجے پر پہنچے آپ لوگ' لیکن...."

"کیا کہنا اے پیاری آواز"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"پہلے تم لوگ یہاں سے نکلنے کی پوری کوشش کر کے دیکھ لو....
اس کے بعد ہم بتائیں گے.... ہم لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"اوہ اچھا.... جیسے آپ کی مرضی.... کیا آپ مسٹر حکومت بات
کر رہے ہیں؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"تو یہاں اور کون بات کرے گا.... میرے علاوہ"۔

اور پھر انہوں نے واقعی کوشش شروع کر دی.... انسپکٹر جمشید
محمود کا چاقو لے کر ایک دیوار پر شروع ہو گئے.... باقی لوگ اپنے طریقے
کے مطابق راستا تلاش کرنے لگے.... لیکن وہ تھک گئے.... اور راستا

تلاش نہ کر سکے.... یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کے مارے ان کی حالت بہت ردی ہونے لگی.... ایسے میں انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ پروفیسر ان کے ساتھ نہیں تھے۔

"بھوک اور پیاس تو محسوس نہیں ہو رہی؟" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"ریاست کے حکمران کیا مسلمان نہیں ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کیوں پوچھا؟"

"مسلمان آدمی اپنے قیدی کو بھوکا پیاسا ہرگز نہیں رکھتے"۔

"اچھی بات ہے.... ابھی کھانا بھیجتے ہیں.... لیکن...." آواز آئی۔

"لیکن کیا؟"

"انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو ہم نے یہاں بلایا تھا... تاکہ ان کی تلاش میں تم لوگ ادھر آ سکو"۔

"آخر کیوں؟" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

"وہ یہیں رہیں گے.... ہماری قید میں.... یا پھر ہم ان میں سے انسپکٹر کامران مرزا کو رہا کر دیتے ہیں.... تاکہ وہ بھی تم لوگوں کے ساتھ مہم پر جا سکیں"۔

"ہم سمجھے نہیں.... یہ کس مہم کا ذکر ہے.... ویسے تو یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ انسپکٹر کامران مرزا تمہارے دھوکے میں

کس طرح آ گئے"۔

"ہاہاہا.... ہمارے حکمران.... میرا مطلب ہے.... میں.... مسٹر حکومت.... میری عقل کی داد دو"۔

"اچھا دے دیتے ہیں داد.... ہمارا کیا جاتا ہے.... لے لیں داد.... کتنی چاہیے"۔ فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"پہلے یہ بتائیں.... وہ آپ کے قابو میں کس طرح آ گئے"۔

"ریاست کے حکمران سے ان کی پرانی علیک سلیک ہے.... وہ ایک بار جب ریاست میں کچھ لوگوں نے انوکھی قسم کی سازش کی تھی تو انھوں نے انھیں مدد کے لیے بلایا تھا.... اس طرح ان سے کافی گہری علیک سلیک ہو گئی.... اچانک مجھے خیال آیا کہ ہم انسپکٹر کامران مرزا کی اس دوستی کے ذریعے ایک بہت خوب صورت کام لے سکتے ہیں.... میں نے حکمران کے کانوں میں اپنا پروگرام گھول دیا.... وہ سن کر جھوم اٹھے.... ویسے وہ میری ہر بات مانتے ہیں"۔

"یہاں بھی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اور وہ کیا؟"

"جب یہاں آپ جیسے چالاک انسان موجود ہیں تو انسپکٹر کامران مرزا کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی.... وہ کام انھوں نے تم سے کیوں نہ لیا"۔

"میں ایسے کاموں کا ماہر نہیں ہوں.... میں تو بس جوڑ توڑ کا ماہر ہوں.... اور دیکھ لیں.... اس جوڑ توڑ کے نتیجے میں تینوں پارٹیاں یہاں موجود ہیں"۔

"اچھا خیر.... مان لیا.... اب بتائیں شرط کیا ہے؟"

"کام آسان نہیں ہے.... لیکن اتنا سن لیں.... اگر آپ نے انکار کیا.... تو ساری عمر یہیں ٹھہرنا ہو گا.... بلکہ نہیں.... پھر ہم کیوں آپ کو دینے لگے خوراک اور پانی.... بھوکوں مرنا ہو گا.... کتنے دن جی لیں گے.... زیادہ سے زیادہ آٹھ دس دن.... پھر موت.... اور اس کمرے کے نیچے کیا ہے.... یہ آپ نے دیکھ ہی لیا.... بس اس سوراخ سے جو آپ نے کیا ہے.... آپ سب کی لاشیں پھینک دی جائیں گی.... پھر کون لگائے گا آپ کا سراغ"۔

"ہمیں ڈرانے کی ناکام کوشش نہ کریں.... آپ لوگ چاہتے کیا ہیں.... یہ بتائیں"۔

"بتا دوں"۔ وہ ہنسا۔

"ہاں! بتا دیں.... ویسے تو یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک پولیس آفیسر کو ریاست میں اتنے اختیارات کیوں حاصل ہیں؟"

"دراصل میرے پاس بے شمار عہدے ہیں.... اور میں حکمران کا بھائی ہوں"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور اب سنیں.... ہم آپ سے صرف اور صرف وہ نوجوان چاہتے ہیں"۔

"کیا مطلب.... کون سا نوجوان"۔ وہ بری طرح اچھلے۔

"وہی نوجوان.... جو کل ہونے والا میچ آج دکھا دیتا ہے"۔

"کیا!!!"

وہ پوری قوت سے چلائے۔

○☆○

شش.... شاید

پھر کتنے ہی لمحے بیت گئے.... ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا.... وہ بتوں کی طرح بیٹھے رہ گئے تھے.... بس وہ ایک دوسرے کو ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے.... آخر اسی کی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا.... کیا آپ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے؟"

"شش.... شاید یہی بات ہے"۔ فاروق کی آواز ابھری۔

"ایسا بھی کیا.... میں نے کوئی اتنی انوکھی بات نہیں کہہ دی"۔

"انوکھی تو خیر ہے.... لیکن اس انوکھی بات میں زیادہ انوکھا پن ایک اور ہے اور وہ یہ کہ ہمیں تو خود اس نوجوان نے بتایا تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کہاں ہیں.... اور اس کے بتانے پر ہی تو ہم نے ادھر کا رخ کیا تھا"۔

"یہ بات ہمیں معلوم ہے.... دراصل یہ عقل میں نے لڑائی تھی.... میں نے بتایا تو ہے کہ میں جوڑ توڑ کا ماہر ہوں"۔

"آخر کیسے.... آپ نے یہ کیسے کیا؟" انسپکٹر جمشید اور باقی درجے حیرت زدہ تھے۔

"میں نے اخبار میں.... آپ کے ملک میں شائع ہونے والے ایک خبار میں ایک اشتہار شائع کرایا تھا.... اس نوجوان کے نام.... یہ کہ ہم اس سے ایک کام لینا چاہتے ہیں.... اس نمبر پر ہمیں فون کرے.... اس نے فون کیا.... میں نے اس سے کہا کہ وہ آپ لوگوں کو صرف اتنا بتادے کہ انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز ریاست ارباط میں ہیں.... اتنی سی بات کا معاوضہ وہ جو چاہے گا ہم اسے دے دیں گے.... اور یہ بتانا خود اس کے لیے مفید ہو گا.... میرے یہ کہنے پر وہ ہنسا اور اس نے پوچھا تھا کہ خود اس کے لیے کس طرح مفید ہو گا.... اس پر میں نے بتایا کہ ہم ان لوگوں کو اپنی قید میں رکھنا چاہتے ہیں.... اس طرح اس کے راستے کی رکاوٹ دور ہو گی.... اس پر اس نے کہا کہ آپ لوگ اس کے لیے بالکل کوئی رکاوٹ نہیں ہیں.... پھر بھی میں آپ کا کام کر دوں گا.... چنانچہ اس نے بغیر کسی معاوضے کے کام کر دیا"۔

"اور.... اور اس نے اپنے علم کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ آپ ہم لوگوں کو کیوں بلانا چاہتے ہیں"

"اوہ ہاں! یہ بات واقعی بہت دلچسپ ہے"۔

"کون سی؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اس نے ہنس کر کہا تھا.... میں جانتا ہوں.... آپ ان لوگوں کو کیوں بلا رہے ہیں.... میرے حیران ہو کر پوچھنے پر اس نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو مجھے حاصل کرنے کے لیے بلوانا چاہتے ہیں.... اس کے بعد

اس نے خوب قہقہے لگائے تھے اور میں دھک سے رہ گیا تھا... شاید وہ
اس دنیا کا انسان نہیں ہے... آخر اسے ہر بات کس طرح معلوم ہو
جاتی ہے"۔

"اس کا بیان تو یہی ہے کہ اس کے والد نے تجربات کے بعد یہ
چیز حاصل کی ہے... لیکن دل نہیں مانتا... کیونکہ غیب کا علم صرف اور
صرف اللہ تعالیٰ کو ہے... اور آپ کی عقل پر ہمیں حیرت ہے... جب
حالات یہ ہیں... تو بھلا ہم کس طرح اس نوجوان کو آپ تک پہنچا دیں
گے... اس کے چکر میں تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ہیں اور اب تک کچھ
نہیں کر سکیں... بلکہ وہ تو شاید ان سب کو اب تگنی کا ناچ نچا رہا ہو
گا... اور بیگال کے ایجنٹوں کو تو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا
ہے"۔

"آپ لوگوں کی معلومات ناقص ہیں... بیگال کے بعد اس نے
انشارجہ کی ٹیم کو بھی مار ڈالا ہے... اور انشارجہ کی حکومت آپ کی
حکومت پر گرج برس رہی ہے کہ یہ سب ان کی وجہ سے ہوا ہے...
حالانکہ اس میں آپ کی حکومت کا کوئی قصور نہیں ہے"۔

"اوہ! تب تو ہمارے صدر بہت پریشان ہوں گے... آپ فوراً
ہمیں وہاں جانے دیں"۔

"یوں نہیں... آپ کو عہد کرنا ہو گا... کہ آپ اس نوجوان کو
ہمارے حوالے کریں گے... ورنہ ہم انسپکٹر کامران مرزا کے باقی

ساتھیوں کو نہیں چھوڑیں گے۔

"دیکھئے... وہ نوجوان کوئی سیدھی کھیر نہیں ہے... اسی کے سلسلے
میں تو ہم ان دونوں پارٹیوں کی تلاش میں تھے... ان کے بغیر ہم اس
کے سلسلے میں شاید کچھ نہ کر سکیں"۔

"تب پھر یرغمال کے طور پر آپ اپنے کسی عزیز کو ہمارے پاس
چھوڑ دیں... پروفیسر داؤد تو فی الحال آپ کے کام کے نہیں ہیں...
انہیں ہمارے پاس گروی رکھ دیں"۔

"کیا کہا... گروی"۔ وہ چلائے۔

"میرا مطلب ہے... بطور امانت... وہ نوجوان دے کر پروفیسر کو
لے جائیے گا"۔

"اور وہ آپ کی قید میں رہیں گے"۔

"نہیں... ان کے فرار ہونے کا کوئی امکان نہیں... لہٰذا ہم انہیں
مہمان کے طور پر رکھیں گے... ان کی خوب دیکھ بھال کریں گے"۔

"اوہ اچھا... خیر... ہم اس تجویز پر غور کر لیں"۔

"بالکل ٹھیک"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تب پھر ذرا ہمیں غور کرنے دیں"۔

"اوہ ہاں ضرور... کیوں نہیں"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

اب وہ غور کرنے لگے... انہوں نے اس سلسلے میں آپس میں
بات چیت بھی کی۔

"اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس نوجوان کو کس طرح اپنے قابو میں کر سکتے ہیں.... پتا نہیں اسکا وجود بھی ہے یا نہیں.... کیا خبر ہم صرف اس کی آواز سنتے ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"یہ تو خیر نہیں ہو سکتا.... اس کی کہانی جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے.... اس کے مطابق وہ ہوٹل میں سیٹھ جاید سے ملا تھا سب سے پہلے"۔

"لیکن سیٹھ جاید نے اسے ہاتھ نہیں لگایا.... اس کو پکڑا نہیں، چھو کر نہیں دیکھا.... کیا خبر.... وہاں بھی صرف اس کی شکل صورت نظر آئی ہو.... اور اس کا وجود نہ ہو"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.... آپ نے شاید آج تک اس قدر عجیب بات کبھی نہیں کہی ہو گی.... کیا کوئی بغیر وجود کا آدمی بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہاں! شاید"۔ وہ مسکرائے۔

"آج تک ایسا سننے میں تو نہیں آیا"۔

"بھئی.... یہ جو جن یا شیطان ہوتے ہیں.... کیا ان کا کوئی وجود ہوتا ہے"۔

"پتا نہیں.... وجود ہوتا ہے یا نہیں.... لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے میں جنوں کا ذکر آتا ہے کہ ایک جن ان کے حکم پر بلقیس کو اس کے تخت سمیت اٹھا کر لے آیا تھا.... اور پلک جھپکتے

میں لے آیا تھا.... اس جن کا کوئی وجود تھا تو وہ لے آیا ہو گا نا.... اسی طرح ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جن کو باندھ دیا تھا"۔ خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"خیر.... ہو سکتا ہے.... جن وجود رکھتے ہوں.... لیکن اس نوجوان کا مسئلہ الگ ہے.... ایسا لگتا ہے.... یہ بغیر وجود کے کوئی چیز ہے.... اور اگر اس کا وجود کوئی نہیں ہے.... تو ہم اسے گرفتار کیسے کریں گے.... اس ریاست کے حوالے کیسے کریں گے"۔

"تب پھر ہمیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں"۔

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے.... تاہم اگر اس کا وجود ہے.... تو بھی اسے گرفتار کرنا شاید دنیا کا مشکل ترین کام ثابت ہو گا.... کیونکہ اسے تو ہمارے ہر پروگرام کا پہلے سے پتا چل جائے گا.... اس وقت بھی اسے معلوم ہے کہ ہم کہاں ہیں اور یہ کہ کل ہم کیا کریں گے"۔

"اسی پر تو حیرت ہے.... یہ تو انبیاء بھی نہیں بتا سکتے کہ کل کیا ہو گا.... وہ کیسے بتا دیتا ہے"۔

"انبیاء غیب کی خبریں تو بتاتے رہے ہیں.... اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جو خبریں عطا فرمائیں.... وہ خبریں انہوں نے اپنی اپنی امت کو سنائیں.... ان میں سے زیادہ تر خبریں ایسی ہو ہوتی تھیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے.... اس طرح آسمانوں سے تو آخر فرشتوں کو اب بھی

احکامات صادر ہوتے ہیں.... یہ کہ فلاں جگہ بارش برسا دو.... فلاں جگہ زلزلہ طاری کر دو.... فلاں جگہ کی فصلیں ہری بھری کر دو.... فلاں جگہ کی فصلیں اجاڑ دو وغیرہ وغیرہ.... اس قسم کے احکامات تو نازل ہوتے ہیں.... یہ خبریں کوئی شیطان اڑا لے جا سکتا ہے.... اس قسم کی بات قرآن کریم میں آئی ہے.... لہٰذا فرشتوں کے ذریعے خاص قسم کی خبروں کی حفاظت اس وقت تک کی جاتی تھی.... جب تک کہ وہ نبی یا رسول تک نہیں پہنچ جاتی تھیں.... ورنہ درمیان میں ہی وہ لے اڑتے تھے.... سو میں سمجھتا ہوں' یہ ایسی ہی کوئی صورت ہے.... اس کی وضاحت پہلے ہی پروفیسر عقلان کر چکے ہیں"۔

"یہ سب تو خیر ہے.... وہ جیسے بھی معلومات حاصل کرتا ہے۔ بہرحال کر لیتا ہے.... یہ بھی ہو سکتا ہے.... کہ اسے صرف چند باتیں کسی ذریعے سے معلوم ہو جاتی ہوں.... باقی کا پتا نہ چلتا ہو.... لیکن یہ ان خبروں سے ہی ہوا بن گیا ہے"۔

"ہمارا اس وقت کا مسئلہ یہ ہے کہ ہم مسٹر حکومت کو کیا جواب دیں؟"

"اس سے بھی پہلا مسئلہ پروفیسر داؤد کا ہے"۔

"اور وہ ہیں اپنے ملک میں"۔

"آپ ان کی فکر نہ کریں.... انہیں تو ہم آپ کا پیغام دے دیں گے اور وہ فوراً آ جائیں گے"۔ آواز سنائی دی۔

"تو آپ ہماری سوچ بچار بھی سن رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ تو کرنا ہی پڑے گا"۔

"اوکے.... آپ پہلے پروفیسر صاحب سے بات کرائیں"۔

"اس عمارت میں فون نہیں ہے.... اس لیے تم میں سے ایک کو باہر آنا پڑے گا"۔

"ٹھیک ہے.... میں کروں گا ان سے بات"۔

"ٹھیک ہے.... ہم دروازہ کھول رہے ہیں.... صرف آپ باہر نکل آئیں.... اگر کسی اور نے باہر آنے کی کوشش کی تو اسے چھلنی کر دیا جائے گا"۔

"ٹھیک ہے"۔

اور پھر کمرے کا دروازہ کھل گیا.... باہر ان گنت کلاشن کوفوں والے نظر آئے.... یہاں کے علاوہ پوری ریاست میں حفاظتی انتظامات کیے گئے ہوں گے.... لہٰذا اس وقت وہ کوئی حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے.... انہیں عمارت سے باہر لایا گیا.... ایک دوسری عمارت نزدیک ہی تھی.... وہ عام سی تھی.... پتھر کی نہیں تھی.... اس میں ان کے سامنے فون رکھ دیا گیا.... انہوں نے گھر کے نمبر ملائے.... جلد ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"خبردار! آپ کوئی ادھر ادھر کی بات نہ کیجیے گا.... ورنہ فون بند کر دیا جائے گا اور پھر آپ کو یہ موقع بھی نہیں دیا جائے گا"۔

"اچھا"۔

"جی کیا فرمایا... اچھا... او یہ آپ ہیں... کہاں سے بات کر رہے ہیں... خدا کا شکر ہے آپ کی آواز تو سنائی دی"۔ کمرے میں بیگم جمشید کی آواز گونج اٹھی۔

"سنو شکیلہ بیگم... میں پروفیسر داؤد صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں... پروفیسر عثمان سے پوچھیں... اب ان کی دماغی حالت کیسی ہے... وہ فون پر مجھ سے بات کرنے کے قابل ہیں یا نہیں"۔

"جی اچھا... لیکن آپ اپنے بارے..."

"جتنا کہا ہے... بس اتنا کریں"۔

"اچھا"۔ انہوں نے فوراً کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کی آواز سنائی دی۔

"وہ اب بات چیت کرنے کے قابل ہیں"۔

"ٹھیک ہے... ان سے بات کرائیں"۔ وہ بولے... پھر پروفیسر صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ہاں جمشید... کیا بات ہے... میں اب کچھ ٹھیک ہوں... لیکن مکمل ٹھیک نہیں ہوں"۔

"آپ کو یہاں آنا ہو گا... ریاست ارباط... یہاں آپ کو ہمارے بجائے قید میں رہنا ہو گا... تاکہ ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں... جونہی ہم ان کا مطالبہ پورا کریں گے... یہ آپ کو رہا کر دیں گے"۔

"ان کی بات چھوڑو جمشید... میں تو وہی کروں گا... جو تم کہو گے"۔

"بس تو پھر آپ اکیلے... ریاست ارباط آ جائیں"۔

"بہت اچھا... جونہی جہاز ملا' میں آ جاؤں گا"۔

"اگر آج کوئی جہاز نہ ہو تو سپیشل طیارے سے آ جائیں"۔

"اچھی بات ہے"۔

انہوں نے فون بند کر دیا۔

"بہت خوب! اب آپ کو اسی کمرے میں چلنا ہو گا"۔

"چلیے جناب"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

پھر وہ اپنے کمرے میں آ گئے... دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

"کیا رہا؟"

"وہ آ رہے ہیں... میری بات سن کر بھلا وہ کیسے انکار کرتے... ان کی دماغی حالت پہلے سے بہتر ہے"۔

"خدا کا شکر ہے"۔

جلد ہی انہیں کھانا دے دیا گیا... انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کھانا کھایا... پھر نماز ادا کی... پانی کا انتظام وہاں تھا... لیکن یہ پانی اس قدر نمکین تھا کہ وہ اس کو پی نہیں سکتے تھے... بس وضو اس پانی سے ہو سکتا تھا۔

دوسرے دن پروفیسر داؤد ان کے پاس پہنچ گئے... اب انہیں

ساری بات تفصیل سے سنائی گئی.... وہ سن کر گھبرا گئے۔

"لیکن جمشید.... اگر تم اس نوجوان کو گرفتار نہ کر سکے.... جیسا کہ امکان ہے.... وہ تو ہمارا ہر اگلا قدم جان لے گا"۔

"ہاں! یہ بات ہے.... لیکن ہمارے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں.... یا ہم سب یہاں قید میں رہیں گے اور بھوک پیاسے مر جائیں گے.... یا پھر آپ کو اپنی جگہ قید میں رکھوا کر اس نوجوان کو پکڑیں گے اور ان کے حوالے کر کے اپنے ملک چلے جائیں گے"۔

"تب پھر ٹھیک ہے.... اتنے آدمیوں کے مارے جانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں یہاں قید میں عزت سے رہوں.... ظاہر ہے.... میرے ساتھ تو یہ کوئی زیادتی نہیں کریں گے"۔

"جی ہاں! بالکل یہی طے ہوا ہے.... اور اگر انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کی.... تو پھر ہم ان سے نپٹ لیں گے"۔

"تب پھر ہم اب ان سے کیوں نہ نپٹ لیں"۔ وہ بولے۔

"نہیں! یہ اچھا نہیں لگتا.... بلاوجہ خون بہانا.... اس طرح ان کے ان گنت لوگ ہلاک ہوں گے.... اور ہے یہ مسلمان ریاست.... ہم تو بلاوجہ غیر مسلموں کا خون بہانا پسند نہیں کرتے.... اسلام بھی یہی کہتا ہے.... کافروں سے جنگ کرو.... اگر وہ اسلام لے آئیں تو پھر جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی.... تیسری صورت یہ ہے کہ اسلام میں اگر وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے.... اور مسلمان بھی نہیں ہونا چاہتے....

پھر جزیہ دیں.... اس صورت میں انہیں قتل نہیں کیا جائے گا.... ہاں تو پھر اب آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں یہاں رہوں گا"۔

"آپ نے ان کا فیصلہ سن لیا مسٹر حکومت؟"

"مسٹر حکومت.... یہ کیا نام ہوا؟"

"یہاں کے ذمے دار ترین آدمی نے اپنا یہی نام بتایا ہے.... اب ہم اسے اور کس نام سے پکاریں"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"اچھا ٹھیک ہے"۔ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ہم نے سن لیا ہے.... آپ لوگ باہر آ جائیں.... پروفیسر اپنے کمرے میں چلے جائیں.... ان کی خوراک وغیرہ کا ہم پورا خیال رکھیں گے"۔

"کیا یہ بہتر نہیں رہے گا کہ آپ انہیں قید خانے میں نہ رکھیں.... کسی مہمان خانے میں ٹھہرائیں.... آپ یقین مانیں.... یہ فرار ہونے کی کوشش ہرگز نہیں کریں گے"۔

"اچھی بات ہے.... یونہی سہی.... ہم چند گھنٹوں تک انہیں دوسری عمارت میں منتقل کر دیں گے"۔ مسٹر حکومت نے ہنس کر کہا۔

"لیکن چند گھنٹوں کے بعد کیوں.... اور ابھی کیوں نہیں؟"

"انتظام کرنے میں وقت لگتا ہے"۔

"آپ کے ہاتھ میں بہت طاقت ہے.... ابھی آپ حکم دیں

گے۔ ابھی کوئی مہمان خانہ خالی ہو جائے گا"۔

"ہاں! یہ ہے.... لیکن اس سلسلے میں حکمران سے بھی بات کرنا ہو گی"۔

"پہلے تو آپ نے کہا تھا، اصل حکمران آپ ہیں یہاں کے"۔

"ہاں! لیکن کاغذی طور پر منظوری لینا پڑتی ہے"۔

"آپ ہمیں چکر دے رہے ہیں"۔

"اگر یہ خیال ہے تو آپ لوگ چند گھنٹے ٹھہر جائیں.... جب ہم انہیں دوسری عمارت میں پہنچا دیں گے.... تب آپ چلے جائیے گا"۔

عین اس وقت فرزانہ تڑ سے گری۔

○☆○

بے وقوفو

وہ چونک کر اس کی طرف مڑے۔

"کک.... کیا ہوا فرزانہ"۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا.... وہ مکمل طور پر بے ہوش لگ رہی تھی.... اب انہوں نے اسے ہلایا جلایا.... منہ پر پانی کے چھینٹے مارے.... لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔

"مسٹر حکومت کسی ڈاکٹر کو بلائیں"۔

"یہ مکر کر رہی ہے"۔

"نہیں.... یہ بے ہوش ہے، آپ کا ڈاکٹر اس بات کی تصدیق کرے گا"۔

"اگر اس نے تصدیق نہ کی تو پھر اس بچی کو بھی پروفیسر داؤد کے ساتھ رہنا ہو گا"۔

"اچھی بات ہے.... منظور ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

اور پھر وہاں ڈاکٹر کو بلایا گیا.... اس نے اچھی طرح فرزانہ کا

معائنہ کیا.... اور آخر بولا۔

"یہ تو واقعی بے ہوش ہے سر"۔

"اچھا تو پھر اسے ہوش میں لاؤ"۔

"جی اچھا.... ابھی چند منٹ میں ہوش میں آ جائے گی.... آپ پریشان نہ ہوں"۔

"بے وقوف.... میں کیوں ہوتا پریشان"۔

"اوہ.... اوہ معاف کیجئے گا سر.... منہ سے غلط جملہ نکل گیا"۔

"اچھا اچھا.... تم اپنا کام کرو.... ٹر ٹر مت کرو"۔

اس نے فرزانہ کو ایک انجکشن دیا.... اور لگا انتظار کرنے.... پانچ منٹ گزر گئے.... اس کی آنکھ نہ کھلی.... اب اس نے دوسرا انجکشن دیا.... فرزانہ نے اب بھی آنکھ نہ کھولی۔

"نہیں سر.... اسے ہسپتال لے جانا ہو گا"۔

"یہ نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے.... اب کیا کریں"۔

"آپ ہمیں آزاد کر چکے ہیں.... لہذا اس کے ساتھ ہم تو ہسپتال جائیں گے"۔

"اوکے.... لیکن تمہاری نگرانی کی جائے گی"۔

"ضرور کرائیں.... ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

اور پھر انہیں ہسپتال لایا گیا.... وہاں تین ڈاکٹرز نے فرزانہ کا معائنہ کیا.... اور پھر آفیسرز کی طرف مڑے۔

"ان کی بے ہوشی فی الحال ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی.... وقت لگ سکتا ہے.... شاید ایک دن.... شاید دو دن"۔

"اوکے.... تم اپنا کام کرو"۔ یہ کہ کر وہ ان کی طرف مڑا۔

"آپ کو یہاں نزدیک ہی ایک عمارت میں ٹھہرا دیتے ہیں.... وہاں سے آپ جب چاہیں ہسپتال تک آ سکتے ہیں"۔

"بہت بہت شکریہ.... کیا ہم آپ کی ریاست کو نہیں دیکھ سکتے.... میرا مطلب ہے.... اب یہاں رکنا تو پڑ ہی گیا.... ذرا گھوم پھر لیں گے.... ورنہ ہم بور ہوتے رہیں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن نگرانی برابر کی جائے گی"۔

"کوئی بات نہیں"۔

"تب پھر ٹھیک ہے.... گھومیں، پھریں.... عیش کریں.... کھائیں پئیں.... اب آپ لوگ ہمارے قیدی نہیں ہیں.... ہمارے قیدی اب پروفیسر داؤد ہیں.... انہیں بھی قیدیوں کی طرح نہیں، مہمانوں کی طرح رکھا جائے گا"۔

"بہت بہت شکریہ.... آپ تو یک دم اچھے بن گئے"۔

"اچھوں کے ساتھ اچھا.... اور بروں کے ساتھ برا ہوں.... آپ بھی تو اب میرے ساتھ تعاون کر رہے ہیں"۔

"اچھا پھر ایک بات بتا دیں.... آپ اس نوجوان کا کیا کریں گے"۔

"وہ نوجوان.... تو اب پوری دنیا کے لیے قیمتی بن چکا ہے۔ اور وہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کے ایجنٹوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے.... اس پر قابو پا کر ہم نہ جانے کیا کچھ کر سکیں گے"۔

"ہوں.... واقعی.... یہ تو ہے.... اچھا خیر"۔

انہیں وہاں سے ایک عمارت میں لایا گیا.... اپنا سامان انہوں نے وہاں رکھا.... اور نکل گئے۔ گھومنے پھرنے.... جونہی انہوں نے کرائے کی بڑی گاڑی لی.... فوراً" پولیس آفیسر اس کے ڈرائیور کے پاس پہنچا۔

"خیال رہے.... ان لوگوں کی نگرانی کی جا رہی ہے.... ایسا نہ ہو.... یہ تمہیں تیز چلنے کے لیے کہہ دیں اور ہم پیچھے رہ جائیں۔ تمہیں اس بات کو ذہن میں رکھ کر انہیں سیر کرانا ہو گی.... کہ پولیس کی گاڑی ساتھ میں آ رہی یا نہیں"۔

"او کے سر.... ایسا ہی ہو گا"۔ اس نے کانپ کر کہا۔

اس طرح انہوں نے دو دن تک صرف سیر کرنے کا کام کیا۔ درمیان میں وہ ہسپتال کا چکر بھی لگاتے رہتے تھے.... فرزانہ ابھی تک بے ہوش تھی.... تین دن بعد کہیں جا کر وہ ہوش میں آئی.... اور پھر انہیں جہاز پر سوار کرا دیا گیا.... لیکن جہاز پر سوار ہونے سے پہلے انہوں نے پروفیسر داؤد کو دوسری عمارت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اور اس عمارت کا فون نمبر نوٹ کر لیا تھا.... تاکہ وہ ان سے فون پر ان کی خیریت بھی معلوم کرتے رہیں اور انہیں یہ بھی معلوم ہوتا رہے کہ

وہ اسی عمارت میں ہیں۔ چلتے وقت انسپکٹر جمشید نے کہا تھا۔

"مسٹر حکومت.... ہمارے آدمی کو اگر ذرا سی بھی تکلیف پہنچی تو پھر ہم ہر طرح آزاد ہوں گے"۔

"ہر طرح آزاد.... کیا مطلب؟"

"پھر ہم جو جی میں آئے گا کریں گے۔

"پہلے یہاں آپ کو کس نے روکا ہے.... آپ اس قید خانے میں بھی جو جی میں آئے کر سکتے تھے"۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اس وقت ہم عمارت میں قید تھے.... اور عمارت کی حد تک جو کر سکتے تھے"۔ ہم نے کیا۔ یہ اور بات ہے کہ ہماری وہاں دال نہیں گلی۔ لیکن اب ہم آزاد ہیں"۔

"اچھا اچھا.... دیکھا جائے گا"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

اور پھر انہیں ایک جہاز میں بٹھا دیا گیا.... جہاز کو سیدھا ان کے ملک تک جانا تھا.... راستے میں کہیں بھی نہیں ٹھہرنا تھا.... اپنے ملک کے ایئرپورٹ پر اترتے ہی انہوں نے صدر صاحب کو فون کیا۔

"اوہ جمشید.... تم کہاں ہو؟"

"ہم ریاست ارباط میں تھے سر"۔

"بندۂ خدا.... وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کو وہاں قید کر لیا گیا تھا.... انہیں چھڑا کر لائے ہیں"۔

"کیا کہا... انہیں وہاں قید کر لیا گیا تھا... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔
ریاست والوں کو ان سے کیا دشمنی تھی؟"
"کوئی دشمنی نہیں تھی... ہم ابھی آ رہے ہیں... آ کر آپ کو
ساری بات بتائیں گے"۔
"اوہ اچھا... میں بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں... کیونکہ میں
بھی بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں تمہیں"۔
"اوہ اچھا"۔
وہ ایوان صدر پہنچے... صدر انہیں دیکھتے ہی بولے۔
"تم لوگوں کے ساتھ پروفیسر داؤد نظر نہیں آ رہے"۔
"یہی تو کہانی ہے"۔
"کیا کہانی ہے... جلدی بتائیں۔ وہ چلائے۔
"آپ کے چلانے پر ہمیں بہت حیرت ہو رہی ہے"۔ انسپکٹر
جمشید گھبرا گئے۔
"میں کہتا ہوں... جلدی بتاؤ"۔
صدر نے اور زیادہ آواز میں چلا کر کہا۔
وہ سب حد درجے حیران ہو گئے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"جی بہتر"۔
جونہی انہوں نے کہانی سنائی... اور صدر کو یہ بتایا کہ اپنی جگہ
پروفیسر داؤد کو وہاں چھوڑ آئے ہیں... صدر اچھل کر کھڑے ہو گئے

"ارے بے وقوف... یہ تم نے کیا کیا"۔
ان سب کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

○☆○

چھلانگ

وہ دھک سے رہ گئے... اس انداز میں صدر صاحب کو انہوں نے آج تک بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"لل... کیا ہوا سر... ہم نے کوئی انوکھی بات نہیں کی... مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا ہے"۔

بہت برا کیا تم نے... اس سے یہ کہیں بہتر تھا کہ پروفیسر داؤد یہیں رہتے اور تم وہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے"۔

کیا سر... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں"۔ اب ان کی حیرت عروج پر پہنچ گئی۔

"میں کیا کہ رہا ہوں... تم نہیں جانتے"۔ وہ بولے۔

"ہم کیا نہیں جانتے... پہلے آپ یہ بتائیں"۔

"تم نہیں جانتے... پروفیسر داؤد کی اہمیت اب اس نوجوان سے بھی زیادہ ہو گئی ہے"۔

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"کیوں... اب چلائے نا میری طرح"۔

"یہ آپ نے کیا کہ دیا سر؟"

"ارے ظالمو... اس نے تمہیں بے وقوف بنا ڈالا"۔ صدر صاحب پکارے۔

"آپ کی باتیں آج ہماری سمجھ میں نہیں آ رہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اس میں میرا کیا قصور... تم کتنے دن یہاں سے غائب رہے ہو"۔

"کم از کم چھے دن"۔

"بس تو پھر تمہیں کیا پتا... یہاں چھے دن میں کیا ہوا... اور میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تمہیں تفصیلات سنا سکوں... میری لائبریری میں چلے جاؤ... چھے دن کے اخبارات پڑھ لو... ساری باتیں خود بخود تمہیں معلوم ہو جائیں گی... اور جب معلوم جائیں... تو میرے پاس چلے آنا"۔

"آپ نے تو ہمارے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی سر"۔

"ابھی جب تم اخبارات پڑھو گے تو سر کے اوپر سے آسمان سرکتا نظر آنے گا تمہیں"۔

"آخر ایسا کیا ہو گیا ہے؟"

"جاؤ... جاؤ... میرا وقت نہ ضائع کرو... تم میرے لیے آج سے ناپسندیدہ ترین لوگ ہو"۔ انہوں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ سکتے میں آ گئے..... کم از کم انھیں اپنی زندگی میں یہ امید نہیں تھی کہ..... صدر صاحب ان سے ایسے الفاظ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اب ان سے کوئی بات کرنے کا فائدہ نہیں تھا..... لہٰذا وہ چپ چاپ لائبریری میں چلے گئے..... اور اخبارات کا مطالعہ شروع کر دیا۔

جوں جوں وہ پڑھتے چلے گئے..... ان کی ہنسی کم ہوتی چلی گئی۔ اس نوجوان نے ان چھے دنوں میں انشارجہ' وٹاس' بلوچستان شاٹا' برنائن اور کئی دوسرے ملکوں کے ایجنٹوں کا بالکل صفایا کر دیا تھا..... ان کی لاشیں شہر کے مختلف حصوں سے روزانہ ملتی رہی تھیں..... گویا ان چھے دنوں میں پولیس صرف لاشیں ٹھکانے لگانے کا کام کرتی رہی تھی..... ان کا شہر لاشوں کا شہر بن کر رہ گیا تھا۔

انھی خبروں کے درمیان انھیں یہ خبر نظر آئی۔

"پروفیسر داؤد کی دماغی حالت پہلے سے بہتر' دماغی حالت بہتر ہوتے ہی انھوں نے اپنی تجربہ گاہ کا رخ کیا..... اور وہاں آلات سے جڑ کر رہ گئے..... اچانک انھوں نے صدر صاحب کو فون کیا اور یہ بتایا کہ وہ اس نوجوان کا راز جان گئے ہیں..... اور چند روز تک اس کا تیاپانچہ کر دیں گے"۔

بس اتنی خبر تھی..... اور غالباً" اس خبر کے شائع ہونے سے پہلے انسپکٹر جمشید انھیں فون کر بیٹھے تھے..... اور وہ ان کا فون سن کر ارباط چلے گئے تھے..... اس طرح کہ صدر صاحب کو بھی شاید بعد میں پتا چلا

کہ وہ انسپکٹر جمشید کے پاس ارباط چلے گئے ہیں..... یہاں عجیب بات صرف یہ تھی کہ وہ تو صدر کو بتا کر گئے ہی نہیں تھے کہ وہ ارباط جا رہے ہیں..... انھوں نے فوراً" صدر صاحب کے نمبر ملائے اور بولے۔

"ہم نے اخبارات پڑھ لے ہیں..... سوال یہ ہے کہ آپ کو کیسے پتا چلا' ہم ارباط پہنچے ہوئے ہیں"۔

"اسی نوجوان نے فون کیا تھا..... اور یہ بھی بتایا تھا کہ تم لوگوں نے پروفیسر داؤد کو بھی وہیں بلا لیا ہے..... اس نے ایسا ان کے جانے کے بعد بتایا..... ورنہ میں انھیں ہرگز نہ جانے دیتا"۔

"اور آپ ہمارا ایڑیاں رگڑ کر مر جانا پسند کرتے" انسپکٹر جمشید نے ان کے کہنے کے مطابق ناخوش گوار انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل"۔ صدر بولے۔

"بہت بہتر..... اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟؟"

"تم لوگوں کے لیے اب اس ملک میں کوئی جگہ نہیں..... صرف ایک صورت ہے..... اور وہ یہ کہ تم جا کر فوراً" پروفیسر داؤد کو یہاں لے آؤ"۔

"انھیں تو خیر اب لانا ہی ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اس صورت میں تم یہاں رہ سکو گے"۔

"جی نہیں" – وہ بولے۔

"کیا کہا..... جی نہیں"۔

"ہاں سر! میں نے یہی کہا ہے"۔
"کیا کہا ہے"۔
"یہ کہ اب ہم یہاں نہیں رہیں گے.... پروفیسر داؤد صاحب کو آپ کے حوالے کر کے ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جائیں گے"۔
"مجھے تم لوگوں کی ضرورت بھی نہیں ہے.... جاؤ دفع ہو جاؤ"۔
"ان الفاظ کے لیے شکریہ سر"۔
"جاؤ جاؤ.... دماغ نہ چاٹو.... تم میرے لیے ناپسندیدہ ترین انسان ہو"۔
"شکریہ سر"۔
"پھر وہی شکریہ"۔
"او کے سر.... ہم جا رہے ہیں"۔
"میں اب اس کے بعد تمہاری آواز بھی نہیں سننا چاہتا' لہٰذا فون بند کر رہا ہوں.... خبردار جو اب شکریہ کہا"۔
ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا.... ان کے سر گھوم گئے۔
"امید نہیں تھی کہ صدر ہم سے اس انداز میں بات کریں گے"۔
"اس میں ان کا بھی کیا قصور؟" فرزانہ مسکرائی۔
"کیا مطلب"
"اگر نوبا' پروفیسر انکل کے دماغ پر قبضہ کر سکتا ہے تو کیا صدر

صاحب کے دماغ پر نہیں کر سکتا"۔
"اس صورت میں تو وہ یہ بھی نہ چاہتے کہ پروفیسر صاحب یہاں موجود ہوں' کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق پروفیسر صاحب.... نے اس انسان کو قابو میں کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا تھا.... اب اگر ان کے دماغ پر نوبا کا قبضہ ہے.... تو وہ کیوں پروفیسر کو بلائیں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔
"آپ کی باتیں بہت وزنی ہیں.... لیکن میں معافی چاہتی ہوں"۔ فرزانہ مسکرائی۔
"چلو معاف کیا.... بتاؤ.... تم کیا کہنا چاہتی ہو"۔
"یہ کہ یہ نوبا کی چال ہے.... پروفیسر صاحب کو واپس بلا کر پھانسنا چاہتا ہے.... تاکہ اس کے خلاف کوئی کچھ کرنے کے قابل نہ رہ جائے"۔
"ہاں فرزانہ ٹھیک ہے.... یہ بھی ہو سکتا ہے.... لیکن سوال تو یہ ہے کہ فی الحال ہمیں کیا کرنا ہے؟"
"وہ تو آپ اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں"۔
"بالکل ٹھیک"۔ انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔
اور پھر وہ اپنے گھر آ کر تیاریوں میں لگ گئے.... انہوں نے ایک مکمل پروگرام ترتیب دیا تھا.... لیکن آوازیں منہ سے نکالے بغیر.... یہ سب کام یا تو اشاروں میں ہوا یا پھر تحریر کی صورت میں جو جملے وہ

نکلتے... ان کو ساتھ ساتھ ضائع کر دیتے... پھر کچھ کام رات کے وقت
گھر کے تہ خانے میں کیا گیا... یعنی گھر میں مکمل تاریکی کر کے... اور
پھر اسی تہ خانے کے راستے وہ لوگ نکل گئے... بیگم جمشید کو بھی اس
بار انھیں ساتھ لینا پڑا تھا... کیونکہ انھیں خوف تھا کہ صدر صاحب
انھیں پریشان کریں گے"۔

ایک خاص جگہ پہنچ کر فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کے کان میں کہا
"کیا یہ بات عجیب نہیں اباجان؟"
"کون سی بات؟" انھوں نے اشارے میں پوچھا۔
"اسے کیوں پتا نہیں چلا... کہ ہم نکل آئے ہیں... اور اس
اس طرح"۔

"بھئی دراصل وہ ہر ایک کے بارے میں ہر وقت باخبر نہیں
سکتا... جس کے بارے میں باخبر رہنا چاہتا ہے... بس اس سے رابطہ
لیتا ہے... میرا مطلب ہے... اپنے عمل کا رخ اس کی طرف موڑ
ہے... اور پھر اس کے بارے میں ہر بات جان لیتا ہے... چاہے
ماضی کی بات ہو، حال کی بات ہو یا مستقبل کی"۔

"لیکن وہ ہماری طرف سے تو بے فکر ہو نہیں سکتا"۔
"یہی دیکھنا ہے... وہ ہماری طرف سے باخبر ہے یا نہیں... اگر
بے خبر ہے... تو ہم نکل جائیں گے... ورنہ پھنس جائیں گے... اس
کے خاص اہل کار ہمارا راستا روکیں گے... کیونکہ گویا انھیں اس

صورت حال بتا چکا ہو گا"۔
"اور اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہو گا؟"
"یہ اس وقت سوچیں گے"۔ وہ مسکرائے۔
وہ نکلتے چلے گئے... پھر جونہی وہ شہر سے باہر جانے والی سڑک پر
پہنچے۔ انھیں ہر طرف سے گھیر لیا گیا اور گھیرنے والے تھے بھی فوجی۔
"آپ نہیں جا سکتے جناب"۔ آفیسر نے طنزیہ کہا۔
"ہمارا قصور... کیا ہم مجرم ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔
"آپ لوگوں کی صدر صاحب کو ضرورت ہے... پہلے آپ کو
ان کے پاس جانا ہو گا"۔
"ہم کون ہیں... کیا آپ جانتے ہیں"
"بہت اچھی طرح... صدر صاحب نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ
انسپکٹر جمشید... انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے دوسرے ساتھی ایسے
ایسے حلیوں میں شہر سے فرار ہو رہے ہیں... اور یہ کہ وہ شمالی سڑک کی
طرف سے باہر نکلیں گے"۔
کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔
"ہاں جناب... انھوں نے آپ لوگوں کی تعداد تک بتائی تھی...
لباس تک بتائے تھے... یعنی اس اس رنگ کے لباس میں ہوں گے"۔
"نن نہیں"۔ وہ چلا اٹھے۔
"آپ یقین کریں نہ کریں... بات یہی ہے"۔

"حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔۔ اگر صدر نے یہ بات بتائی تو کس طرح۔۔۔۔ نوبا ضرور بتا سکتا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"نوبا نے ہی صدر کو بتایا ہو گا"۔

"اوہ ہاں! تب تو ہمیں ان فوجیوں کو ساری صورت حال سے آگاہ کرنا ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً" کہا اس پر آفیسر مسکرایا۔۔۔۔ اور طنزیہ انداز میں بولا۔

"ہمیں کچھ نہیں سننا جناب"۔

"ملک اور قوم کے لیے سن لیں"۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں"۔

"اچھا اسلام کے لیے سن لیں"۔

"نہیں"۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"او کے۔۔۔ آپ کی مرضی۔۔۔۔ جب یہ مصیبت آپ کے گلے تک آئے گی۔۔۔۔ اس وقت پتا چلے گا"۔

"ہمیں تو جو حکم ملتا ہے۔۔۔ بس ہم وہ کرتے ہیں۔۔۔ وہ حکم کیوں دیا جاتا ہے۔۔۔۔ ہم یہ بات نہیں سوچتے۔۔۔۔ اس حکم کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ ہم یہ بھی نہیں سوچتے۔۔۔۔ بس ہم تو کام کرتے ہیں"۔

"اور ہماری مشکل پتا ہے کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"ہاں بتائیے۔۔۔ آپ اپنی مشکل بتائیے"۔

"ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم اپنی فوج کے کسی آدمی پر ہاتھ نہ

اٹھائے" ورنہ آپ کے اس گھیرے سے تو ہم چٹکی بجاتے نکل سکتے تھے"۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"کیا کہا۔۔۔ ہاں یہ ٹھیک ہے"۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔۔ آپ واقعی نکل سکتے تھے۔۔۔۔ لیکن بہت سے فوجیوں کو ہلاک کر کے۔۔۔۔ اور یہ آپ کریں گے نہیں۔۔۔۔ یہ بات بھی صدر صاحب نے بتائی تھی"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ ہمارا جوتا ہمارا ہی سر۔۔۔۔ اچھا خیر۔۔۔۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"آپ لوگوں کو صدر صاحب کے پاس لے کر چلنا ہے"۔

اور پھر انہیں صدر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔

"ہاہاہا۔۔۔ تو تم فرار ہو رہے تھے۔۔۔۔ اور نوبا کی طاقت کو بھول گئے تھے تم۔۔۔ ارے بے وقوف۔۔۔ اس نے خود تمہیں اتنی مہلت دی کہ تم میک اپ کر لو۔۔۔ پھر گھر سے بھی نکل جاؤ۔۔۔ اس کے بعد جب تم شہر سے باہر نکلنے لگو۔۔۔ اس وقت تمہیں گرفتار کیا جائے"۔

"تو کیا اب آپ نوبا کے زیر اثر ہیں"۔

"ہاں! میں اب سب کچھ اس کی مرضی سے کر رہا ہوں"۔

"تب تو اب آپ کو صدر رہنے کا حق نہیں رہ گیا"۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ میرا یہ حق مجھ سے کون چھینے گا۔۔۔۔ فوج

کے کمانڈر انچیف تک اس کے زیر اثر آ چکے ہیں"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ چلائے.... کیونکہ اس وقت انہوں نے یہی سوچا تھا کہ اس سلسلے میں کمانڈر انچیف سے مدد لیں گے.... لیکن گویا یہ راستا بھی بند ہو چکا تھا۔

"کیوں! یہ سن کر دھکا لگا۔

"پتا نہیں کیا لگا اور کیا نہیں لگا"۔

"انہیں خصوصی جیل میں لے جاؤ.... ان کا چاقو ان سے لے لو.... ان کی ہر چیز ان سے لے لو"۔ صدر نے حکم دیا۔

یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑے۔

"صورت حال تمہارے لیے حد درجے خطرناک ہے جمشید۔ اس سے پہلے جب تم اس قسم کے حالات میں گھر گئے تھے نا.... تو قید خانوں سے کسی نہ کسی طرح نکل آتے تھے.... لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کرو گے.... دیکھو نا.... اب تم جونہی قید خانے میں کچھ کرنے کی کوشش کرو گے.... نوبا کو پتا چل جائے گا.... اور وہ اس کا انتظام کرے گا.... اول تو اس قید خانے میں تم کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں ہو گے"۔

"اللہ مالک ہے"۔ فرزانہ بولی۔

"آپ نے سن لیا.... ہمارا اللہ مالک ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

باقی سب لوگوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

اچانک فرزانہ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور صدر پر جا پڑی۔

سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔

اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے سانس نیچے رہ گئے۔

○☆○

آمد کا مقصد

فرزانہ اس وقت تک ان کی گردن دبوچ چکی تھی۔

"فرزانہ! یہ تم کیا کر رہی ہو؟" انسپکٹر جمشید چلائے۔

فرزانہ نے جیسے سنا ہی نہیں۔۔۔ برابر ان کی گردن پر دباؤ ڈالتی رہی۔۔۔ ادھر ان کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔۔۔ سانس رکنے لگا۔۔۔ انسپکٹر جمشید تیزی سے آگے بڑھے۔۔۔ انھوں نے فرزانہ کی کلائیوں پر ہاتھ جمائے۔۔۔ اور ایک جھٹکا مارا۔۔۔ اس کے ہاتھ صدر کی گردن سے ہٹ گئے۔۔۔ ان کا سانس درست ہونے لگا۔۔۔ چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔۔۔ ادھر انسپکٹر جمشید فرزانہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ تمھیں کیا ہو گیا تھا فرزانہ؟" وہ چلائے۔

"کچھ نہیں ہوا تھا ابا جان! میں صرف یہ اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ یہ واقعی صدر ہیں یا پھر یہ خود نوبا ہے"۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

اور پھر وہ مسکرانے لگے۔۔۔ کیونکہ یہ خیال ان کے ذہنوں میں

بھی آیا تھا۔۔۔ لیکن وہ اس کی جانچ پڑتال کیسے کرتے۔۔۔ یہ بات فرزانہ نے سوچ لی اور اس پر عمل بھی کر گزری۔

"بہت خوب فرزانہ"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں۔۔۔ بہت بدتر فرزانہ۔۔۔ میں اسے پھانسی پر لٹکاؤں گا"۔

"صدر صاحب۔۔۔ آپ پہلے یہ تو دیکھ لیں اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"کچھ بھی ہو۔۔۔ یہ اب پھانسی پر چڑھ کر رہے گی"۔

"پہلے نوبا سے پوچھ لیں"۔

"کیا مطلب؟" صدر صاحب نے چونک کر کہا۔

"نوبا سے پوچھ لیں۔۔۔ وہ تو کل پیش آنے والا ہر معاملہ آپ کو آج بتا سکتا ہے۔۔۔ بلکہ دکھا سکتا ہے۔۔۔ اس سے پوچھ لیں۔۔۔ کیا آپ فرزانہ کو پھانسی دے سکیں گے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ میں ایسا کروں گا۔۔۔ انھیں لے جاؤ بھئی"۔ صدر نے فوجیوں سے کہا۔۔۔ پھر وہ چونک کر بولے۔

"ایک منٹ۔۔۔ جب اس بچی نے مجھ پر چھلانگ لگائی تھی۔۔۔ تو تم کیوں کھڑے تماشا دیکھتے رہے"۔

"ہم حیرت کی وجہ سے بت بن کر رہ گئے تھے سر۔۔۔ پھر اس سے پہلے کہ ہم حرکت میں آتے۔۔۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف چھلانگ لگا چکے تھے۔

"اوہ ہاں! اچھا خیر..... انہیں لے جاؤ۔۔۔ پھانسی کی تاریخ میں نوبا
سے پوچھ کر بتاؤں گا"۔
"سر..... کیا پھانسی دینا ضروری ہے۔۔۔ میرے خیال میں اس بچے
کی یہ حرکت اس قدر غلط نہیں تھی"۔ فوجی آفیسر نے کہا۔
"کیا بکتے ہو؟" صدر گرجے۔
فوجی آفیسر کو سانپ سونگھ گیا۔۔۔ صرف اتنا کہہ سکا۔
"سوری سر"۔
اور پھر وہ انہیں قید خانے میں لے آیا۔۔۔ اندر داخل کرنے سے
پہلے ان سے ہر چیز لے لی گئی۔۔۔ چاقو بھی اور فاروق کی جیب کی ہر
چیز۔۔۔ پھر انہیں اندر داخل کر کے وہ سلاخوں والا دروازہ بند کر دیا گیا۔
ان کے جانے کے بعد انہوں نے قید خانے کا جائزہ لیا..... ایسے
میں نوبا کی آواز ابھری۔
"کیوں..... کیسی رہی؟"
"اچھی رہی..... لیکن..... آخر کار ہم تمہاری گردن تک پہنچ
جائیں گے"۔
"آخر کیسے..... سوال تو یہ ہے۔۔۔ جب میں یہ جانتا ہوں..... اب
تم لوگ کیا کرو گے..... تو پھر میں یہ بھی جان لوں گا..... کہ تم میری گردن
تک پہنچ سکتے ہو یا نہیں..... پھر بھلا کیسے تم پہنچ سکو گے"۔
انسپکٹر جمشید اور دوسرے چکرا کر رہ گئے..... اس سوال کا ان کے

پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا۔۔۔ آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"اللہ مالک ہے"۔
"او کے۔۔۔ اب تم اپنا کام کرو۔۔۔ اس قید خانے کی دیواروں کو
ٹھوک بجا کر دیکھنا شروع کرو۔۔۔ اور یہ سوچو کہ یہاں سے کس طرح
نکل سکو گے۔۔۔ اور نکل بھی گئے۔۔۔ تو تمہارے لیے دوسرا مرحلہ پروفیسر
داؤدو کا ہے۔۔۔ اول تو تم یہاں سے بھی نہیں نکل سکو گے۔۔۔ میں اپنے
علم کے زور پر دیکھ رہا ہوں۔۔۔ تم بری طرح ناکام رہو گے۔۔۔ جب
پوری طرح ناکام ہو جاؤ۔۔۔ اس وقت مجھے آواز دینا۔۔۔ پھر میں تمہاری
مدد کو آؤں گا"۔
"ہم تم سے مدد نہیں مانگیں گے"۔
"لیکن میرا علم کہتا ہے۔۔۔ تم مدد مانگو گے"۔
ان کے دماغ گھوم گئے۔۔۔ وہ خاموش ہو گئے۔۔۔ اس کی باتوں
کے جواب ان کے پاس تھے جو نہیں۔
اور پھر اس کی آواز بھی بند ہو گئی۔
"ہمارے پاس کوئی راستا نہیں ہے۔۔۔ تمام راستے بند ہیں"۔
ایسے میں خان رحمان بولے۔
"نہیں۔۔۔ یہ غلط ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"کیا غلط ہے"۔ خان رحمان نے انہیں گھورا۔
"ہمارے پاس ایک راستا ہے۔۔۔ اللہ سے مدد مانگنے کا راستا۔۔۔

ہم اس وقت شیطانی جال میں ہیں.... نوبا ایک شیطان ہے.... بہت بڑا شیطان... ایسے کام سوائے شیطان کے اور کوئی نہیں کر سکتا... جیسے کام وہ کر رہا ہے.... یہ شیطان کی ہی طاقت ہے.... کہ وہ آسمان سے آنے والی خبریں بھی بعض اوقات اڑا لیتا ہے.... اور میرا خیال ہے... تیج جیسی خبریں... یعنی شیطانی کاموں والی خبروں کو فرشتوں کے پہرے میں نہیں اتار جاتا... اس لیے یہ شیطان ایسی خبریں اڑا لیتا ہے... اور آگے اپنے چیلوں کو بتا دیتا ہے... اس قسم کا ایک کیس ہم پہلے بھی حل کر چکے ہیں... لیکن اس وقت صورت یہ نہیں تھی... وہاں ہمیں صرف شیطانی طاقت سے ٹکرانا تھا... جب کہ یہاں شیطانی طاقت اور روپ میں ہے"۔

"اگر ہم آپ کی بات مان لیں.... تو ہماری اس وقت تک کی تفتیش غلط ہو جاتی ہے.... آپ شیبان کو کس خانے میں رکھیں گے"۔

"ایسا لگتا ہے.... وہ شیطانی تجربات کرتا رہا تھا.... وہ تجربات سائنس کے نہیں تھے.... بلکہ کالے علم وغیرہ کے تھے... پھر یہ بڑا شیطان اس پر مہربان ہو گیا... لیکن اس کی موت کا وقت آ چکا تھا... وہ مر گیا.... لیکن مرنے سے پہلے شیطان کے حوالے اپنے بیٹے کو کر گیا... گویا اب نوبا شیطان کی شکل میں ہمارے مقابلے میں ہے.... یہ بات نہیں کہ وہ پوری دنیا کی خبریں جانتا ہے... اور کل پوری دنیا میں کیا کچھ ہو گا... وہ بتا سکتا ہے... نہیں.... بس وہ تو خاص خاص باتیں بتا سکتا

ہے... اور اس کا تجربہ ہم کر ہی لیں گے"۔

"کیا مطلب جمشید... اس کا تجربہ ہم کس طرح کر لیں گے"۔ خان رحمان چونکے

"اب جب اس سے بات ہو گی تو میں یہ تجربہ کرا دوں گا"۔

"آپ کا مطلب ہے... اس نے صرف چند خبروں کے ذریعے دنیا کو چکر دے ڈالا... دنیا اس کے چکر میں آ گئی"۔

"خیر! میں یہ بھی نہیں کہ سکتا... نہ جانے اس کے علم کا دائرہ کتنا بڑا ہے"۔

اس روز انہیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا گیا... وہ پریشان ہو گئے... ان لوگوں سے رحم کی کوئی امید نہیں تھی... اور عملے کا کوئی آدمی بھی ان کی مدد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا... کیونکہ اس بات کا نوبا کو پتا چل جاتا۔

دوسرے دن جب وہ نڈھال ہو گئے تو انہیں تھوڑا سا کھانا دیا گیا... ساتھ ہی صدر کا پیغام انہیں ملا۔

"فرزانہ کی پھانسی کی سزا ختم کر دی گئی.... تم لوگ تو خود ہی اس قید خانے میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے.... ہمیں پھانسی دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

تین روز بعد ان کی حالت اور خراب ہو گئی... کیونکہ خوراک نہ ہونے کے برابر دی جا رہی تھی... پتا نہیں صدر یا نوبا کا کیا پروگرام

تھا۔

آخر چوتھے دن قید خانے کا دروازہ کھول دیا گیا... وہی فوجی آفیسر نظر آیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"آپ کو رہا کر دینے کا حکم ملا ہے... آپ آزاد ہیں"۔

"یہ مہربانی ہم پر کیوں کی گئی؟"

"مسٹر توبا کا کہنا ہے۔ یہاں مزا نہیں آ رہا... قید میں رہ کر آپ لوگوں کی بے بسی کا مزا نہیں آ سکا... باہر رہ کر جب آپ ان کے خلاف کام کریں گے... اور قدم قدم پر چوٹ کھائیں گے... تب انہیں مزا آئے گا... اصل میں وہ لطف اٹھانا پسند کرتے ہیں"۔

"خدا کا شکر ہے... اس نے ہمیں اس قید سے نجات عطا فرمائی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کس کا شکر ہے"۔ فوجی چونکا۔

"خدا کا... اور کس کا"۔

"میں سمجھا تھا... آپ نے کہا ہے... توبا کا شکر ہے"۔

"ہرگز نہیں... خدا کا شکر ہے"۔

"اچھا... مجھ سے لڑنے کی ضرورت نہیں"۔

"کیا تم مسلمان نہیں ہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"نہیں... میں پارسی ہوں"۔

"پارسی کا ہماری فوج میں کیا کام؟" وہ چونکے۔

"ہماری فوج میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں"۔

"یہی ہماری بد قسمتی ہے.... مسلمان فوج میں صرف اور صرف مسلمان ہونے چاہئیں"۔

"لیکن آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی"۔

"ایک دن آئے گا.... میں فوج کو سازشی لوگوں سے ضرور پاک کر دوں گا... اور اس دن سے ہی ہمارا ملک ترقی کرنا شروع کر دے گا"۔

"اور ملک کے دوسرے محکموں میں جو اسلام دشمن لوگ موجود ہیں... پولیس کے محکمے میں.... محکمہ خارجہ میں... داخلہ میں.... غرض وہ کون سا محکمہ ہے... جس میں اسلام دشمن لوگ نہیں ہیں"۔

"ہم ان شاء اللہ ان محکموں کو بھی پاک کریں گے"۔

"او کے... اب آپ جائیں... میرا دماغ نہ چاٹیں"۔ اس نے بل کر کہا۔

"دیکھا جائے گا.... ملاقات کن حالات میں ہوتی ہے... ہوتی بھی ہے یا نہیں.... ویسے لگتا ہے.... نہیں ہو گی"۔

"اللہ مالک ہے"۔

اور پھر وہ وہاں سے نکل کر اپنے گھر آ گئے... بیگم جمشید انہیں دیکھ کر دھک سے رہ گئیں۔

"یہ کیا... میں نے تو سنا تھا"۔

"ہاں بیگم... ٹھیک سنا تھا... لیکن ہمیں اس نے خود ہی رہا کر دیا"۔

"آخر وہ چاہتا کیا ہے"۔

"ابھی تک ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکے... لیکن اس کا کوئی کمزور پہلو ضرور ہے... وہ اس کمزوری سے خوف زدہ ہے... اور چاہتا ہے... ہمیں وہ کمزور پہلو کسی طرح معلوم نہ ہو"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ بیگم جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب... کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اگر اس کا کوئی کمزور پہلو ہے اور وہ اس کمزور پہلو کی وجہ سے خوف زدہ ہے... اور یہ خیال کرتا ہے... کہ اس کمزور پہلو کی بنیاد پر آپ اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتے ہیں... تب تو اسے آپ کو رہا نہیں کرنا چاہیے تھا... آپ قید میں ہی ختم ہو جاتے... اس کی بلا سے... وہ کیوں کرنے لگا آپ کی پروا"۔

"ہاں بیگم... تم نے بہت پتے کی بات کی... یہ بات ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئی... بہرحال یہ کوئی گہرا چکر ہے... وہ ہمیں بے بس کر کے لطف اندوز بھی ہونا چاہتا ہے اور ہم سے خوف زدہ بھی ہے... یہ دو الگ الگ باتیں ہیں... اور نہ سمجھ میں آنے والی باتیں... ہم بھی ان پر غور کر رہے ہیں... تم بھی غور کرو"۔

"گویا آپ امی جان کو غور کی دعوت دے رہے ہیں؟"

"ہاں! اس لیے کہ یہ دعوت دینے میں نقصان کوئی نہیں"۔ فاروق مسکرایا۔

"سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے"۔ آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"ہم پہلے... وہی کریں گے... فکر نہ کرو"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"حد ہو گئی... بھئی وہی کیا؟" آصف نے منہ بنایا۔

"اوہو... بھائی سمجھ جاؤ نا"۔ فاروق نے گویا اس کی منت کی۔

"او کے میں سمجھ گیا"۔

"بس تو پھر نئے سرے سے تیاری کرو"۔

اس بار انہوں نے ایک اور انداز میں تیاری کی... اور وہ یہ کہ اندرونی راستے سے بیگم شیرازی کے گھر میں داخل ہو گئے... وہ انہیں دیکھ کر چونک اٹھیں... لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بول پڑتیں... ان سب نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی... اور ان کے گھر میں میک اپ میں مصروف ہو گئے... پھر کئی چھتیں عبور کر کے ایک گلی میں پہنچ گئے... وہاں ان کی ایک ایسی گاڑی موجود رہتی تھی جس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ان کی ہے... اس میں بیٹھ کر سیدھے ساحل سمندر پہنچے... یہ ایک ویران ساحل تھا... اور اس جگہ خفیہ فورس کے ذریعے ایک لانچ وہاں ہر وقت تیار رہتی تھی... جلد ہی وہ اس لانچ میں سفر کر رہے تھے... لانچ والے نے انہیں ایک دوست ریاست میں پہنچا

دیا.... اس ریاست کے حکمران کے وہ کئی مرتبہ بہت کام آئے تھے۔

وہ انہیں دیکھ کر اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں.... کیونکہ انہوں نے نام تو اپنے اندر بھجوائے تھے.... اور شکلیں اس وقت ان کی اور تھیں۔

"یہ کیا.... مجھے تو تم لوگوں نے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا صاحبان کے کارڈ دیے تھے"۔

"جی ہاں! یہی تو ہیں وہ"۔ اس محافظ نے کہا جو انہیں اندر لایا تھا۔

"تمہارا سر.... میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں"۔ وہ گرجا۔

"آپ ان پر نہ بگڑیں.... یہ ہم ہی ہیں"۔ انسپکٹر جمشید اپنی اصلی آواز میں بولے۔

"کیا!!!" وہ چلا اٹھا۔

پھر وہ ان سے لپٹ گیا۔

"اوہ! یہ آپ لوگ ہیں.... میرے ہمدرد.... مجھ پر احسان کرنے والے.... میرے معزز ترین مہمان.... آج کا دن میرے لیے حد درجہ خوشی کا دن ہے"۔

انہوں نے سکون کا سانس لیا.... ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرنے لگے.... کھانا وغیرہ کھانے کے بعد انہوں نے اپنی آمد کی وجہ لکھ کر اسے دی۔

وہ پڑھ کر حیرت میں ڈوب گیا.... پھر انتظامات میں لگ گیا.... اس طرح وہ ایک دور دراز ملک پہنچنے میں کامیاب ہوئے.... وہاں اسی حکومت نے ان کے لیے اپنے ملک کے کاغذات تیار کرائے.... کیونکہ اس ریاست کے حکمران کے تعلقات اس ملک سے بہت گہرے تھے.... اس طرح وہ اس ملک کے شہری بن کر ریاست ارباط پہنچے.... ایئرپورٹ سے اتر کر انہوں نے ایک اچھے ہوٹل کا رخ کیا.... ساتھ میں انہوں نے لکھ کر خفیہ بات چیت بھی شروع کر دی۔

"تو کیا.... اس بار ہماری نقل و حرکت کا نوبا کو پتا نہیں چل سکا"۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے.... ورنہ وہ ضرور ہمارے راستے میں رکاوٹ بنتا.... اور اس ریاست کے مسٹر حکومت کو تو ضرور خبر کر دیتا کہ ہم لوگ یہاں آ گئے ہیں"۔

"میرا خیال ہے.... اب ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے.... یہ سوچے بغیر کہ اسے ہمارے بارے میں پتا ہے یا نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... پہلے ہم ریاست کو اچھی طرح گھوم پھر کر دیکھیں گے.... اس کے تمام راستے یاد کریں گے.... پھر اپنا اصل وار کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

باقی لوگوں نے سر ہلا دیے.... اس طرح انہوں نے ریاست کو

خوب گھوم پھر کر دیکھا۔۔۔ اور آخر کار ایک رات وہ اس قید خانے تک پہنچ گئے۔۔۔۔ جس میں پروفیسر داؤد کو قید کیا گیا تھا۔۔۔ ان کے پاس اس وقت اسلحے کی شکل میں کوئی چیز نہیں تھی۔۔۔ کیونکہ اس ریاست میں داخل ہوتے وقت تمام غیر ملکیوں کی تلاشی لی جاتی تھی اور کسی کے پاس اسلحہ نہیں رہنے دیا جاتا تھا۔۔۔ تاہم ان کے پاس پروفیسر داؤد اور پروفیسر عقلان کے دیے ہوئے کچھ کھلونے موجود تھے۔۔۔۔ انہوں نے چند کھلونے ادھر ادھر عمارت کی طرف لڑھکا دیے۔۔۔۔ اور لگے انتظار کرنے۔۔۔۔ رات کی تاریکی میں ان کھلونوں کے بارے میں بھلا کسے پتا چلتا۔۔۔ جلد ہی ان کھلونوں سے آہستہ آہستہ گیس خارج ہونے لگی۔۔۔ غیر محسوس طور پر محافظ گہری نیند میں ڈوبتے چلے گئے ۔۔۔۔ یہاں تک کہ سب کے سب بے ہوش ہو گئے۔۔۔۔ اور کسی کو پتا بھی نہ چل سکا۔

اب انہوں نے اپنی جیبوں سے رومال نما گیس ماسک نکالے۔ دیکھنے میں یہ بالکل رومال تھے۔۔۔۔ وہ انہوں نے ناکوں پر رکھے اور آگے بڑھے۔۔۔۔ ایک محافظ کی جیب سے انہیں چابیاں مل گئیں۔۔۔۔ ان کے ذریعے تالے کھولے گئے۔۔۔۔ اندر اسی کمرے میں پروفیسر داؤد گھٹنوں میں سر رکھے بیٹھے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے انہیں کندھے سے پکڑ کر ہلایا تو وہ زور سے اچھلے اور اپنے سامنے اجنبیوں کو دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔۔۔۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کوئی آواز نکالتے۔۔۔ انہوں نے ان کے منہ پر

مصیبت آنے والی ہے

چند لمحے تک ان میں سے ہر ایک سوچ میں ڈوبا رہا، پھر آصف کی آواز سنائی دی۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ اس ریاست میں ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔۔ بلکہ اسے ہمارے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں ہو گا۔۔۔ اور انکل کامران مرزا کے بارے میں باس نے آکر ہمیں بتایا تھا تو ریاست ارباط کے حکمران کی طرف سے اطلاع ملنے پر بتایا تھا۔۔۔ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں تھا۔

"ہاں! بات یہی ہے۔۔۔ لیکن"۔ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"آپ پھر لیکن کو درمیان میں لے آئے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں! کیا کیا جائے۔۔۔۔ مجبوری ہے"۔ انہوں نے اس سے بھی زیادہ برا منہ بنایا

"لیجیے۔۔۔۔ اب اس میں مجبوری بھی آ ٹپکی"۔ آفتاب ہنسا۔

"بھئی مجبوری کا کیا ہے.... کسی بھی چیز میں ٹپک سکتی ہے"۔ مکھن نے فوراً" کہا۔

"حد ہو گئی یعنی کہ"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

""آپ نے کوئی لیکن کہا تھا انکل"۔ فرحت نے انھیں یاد دلایا۔

""اوہ ہاں! میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جب تک عملی طور پر ہمیں اس کا تجربہ نہیں ہو جاتا.... اس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا... اس وقت کوئی اس سے یہ پوچھے کہ ہم کہاں ہیں.... اور یہ بات ہم ملک کے صدر صاحب کے ذریعے پوچھ سکتے ہیں.... کیونکہ صدر صاحب آج کل اس کے ماتحت نظر آتے ہیں"۔

""بالکل ٹھیک.... آپ ہی پھر یہ کام کریں"۔

""نہیں! ہم براہ راست تو بات نہیں کر سکتے.... اس طرح تو ایکسچینج والوں کے ذریعے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ہم کہاں سے بات کر رہے تھے.... انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر اپنے ایک خفیہ کارکن کو فون کیا.... اس سے بدلی ہوئی آواز میں کوڈ الفاظ میں بات کی اور پھر فون رکھ دیا۔

""آپ نے اس سے کیا کہا؟" محمود نے پوچھا۔

""صرف یہ کہ وہ صدر صاحب کو فون کر کے پوچھے.... وہ نوبا سے پوچھ کر یہ بتا دیں کہ اس وقت انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی کہاں ہیں.... تو ہم نوبا کو مان جائیں گے"۔

""بالکل ٹھیک ہے.... یہ ترکیب اچھی ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

""اور میں نے اپنے آدمی کو اپنا فون نمبر اور جگہ نہیں بتائی.... تاکہ کسی ذریعے سے اس سے نہ معلوم کر لیا جائے.... اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بتاتا ہے یا نہیں.... اگر نہیں تو پھر یہی وہ کمزور پہلو ہے اس کا.... جس کی وجہ سے وہ ہم سے خوف زدہ ہے"۔

""ہوں.... بالکل ٹھیک"۔ خان رحمان مسکرائے۔

اور پھر آدھ گھنٹے بعد انہوں نے پھر خفیہ کارکن کو فون کیا.... ان کی آواز سن کر اس نے کہا۔

""اس نے بتایا کہ آپ لوگ پروفیسر داؤد کو چھڑا لائے ہیں"۔

""میں نے یہ سوال اس سے نہیں پوچھا تھا.... اس بات کی اطلاع تو اس ریاست کے صدر کا صدر بھی اسے دے سکتے ہیں"۔

""یس سر.... اس نے دوسری بات یہ بتائی ہے کہ اب آپ انسپکٹر کامران مرزا سمیت اپنے ایک دوست کے ہاں ہیں.... دوست ایک ریاست کا حکمران ہے.... اور اس ریاست کا نام ہے.... موان بیٹ"۔

""اوہ.... اوہ.... اوہ"۔ وہ ایک ساتھ چلا گئے۔

"ہاہاہا.... ہاہاہا"۔ اسی ریسیور سے نوبا کا قہقہہ سنائی دیا۔

""ارے باپ رے.... مسٹر نوبا.... آپ اور اس فون میں بات کر

رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید تھرا اٹھے.... باقی لوگوں کے بھی رنگ اڑتے نظر آئے۔

"اب اندازہ ہوا میری طاقت کا"۔

"ہاں! ہو گیا.... مان گئے آپ کو"۔

"بس تو پھر ادھر ہی آ جائیں.... مجھ سے اتنا دور رہ کر کیا کریں گے.... آپ لوگ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکیں گے.... اور میں نے ریاست ارہالا کے حکمران کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آپ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے اور پروفیسر داؤد کو نکال لے جائیں گے.... ساتھ ہی میں نے ان سے کہا کہ وہ لوگ آپ کو ایسا کر لینے دیں.... چنانچہ انہوں نے آپ کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالی"۔

"اچھی بات ہے.... ہم آ رہے ہیں.... اس لیے کہ اب یہاں رہ کر کیا کریں گے"۔

پھر وہ واقعی اپنے ملک روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔

"ہم شاید اس کی چال میں آ رہے ہیں"۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب فرزانہ؟"

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنے کمزور پہلو کو ہم سے چھپا کر ہمیں اپنے جال میں پھانس رہا ہے.... اس کا کمزور پہلو یہ نہیں کہ وہ نہیں جان سکتا.... ہم کہاں ہیں.... اتنا تو وہ جان لیتا ہے.... لیکن...."

اتنی دور سے ہم سے ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا.... اصل بات یہ ہے اور اسی لیے وہ ہمیں پاس بلانے کے لیے بے چین ہے"۔

"اوہ.... اس پہلو کی طرف تو ہمارا دھیان نہیں گیا"۔

"تب پھر ہم یہیں رک کر اس کے فون کا انتظار کریں گے.... ذرا دیکھیں تو سہی.... اس سوال کا وہ کیا جواب دیتا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"بالکل ٹھیک"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"ویسے کیا ہم اس کیس میں حد درجے بے بسی محسوس نہیں کر رہے.... یعنی ہم کسی بھی طرح اس تک پہنچنے کے قابل نہیں ہو سکے' اب تک.... شروع میں وہ اپنے جسم کے ساتھ ضرور نظر آیا ہے.... پھر جونہی اس کی اہمیت بڑھی.... پھر نظر نہیں آیا.... اس کے بعد سے صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے' وہ خود کہاں ہے.... یہ کوئی نہیں جانتا"۔

"ہاں یہی بات ہے.... لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں.... مایوسی یوں بھی گناہ ہے"۔

"نہیں! ہم مایوس نہیں ہیں.... بے بسی ضرور محسوس کر رہے ہیں.... لیکن اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راستا پیدا کر ہی دیں گے"۔

اب انہوں نے ایک دو دن وہیں رک کر آرام کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے.... وہ اس جگہ ان کا کچھ بگاڑنے کے قابل

بے یا نہیں۔۔۔ آخر دو دن بعد نوبا کا فون انھیں ملا۔

"کیا بات ہے بھئی۔۔۔ تم ادھر نہیں پہنچے"۔

"آپ کو تو وجہ معلوم ہو گی ہی"۔ فرزانہ بول پڑی۔۔۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے، گویا اس نے ٹھیک سوال کر ڈالا تھا۔

"ہاں! آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو یہاں اس ریاست میں کوئی نقصان پہنچا کر دکھاؤں۔۔۔ یہی بات ہے نا"۔

وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ گویا اسے یہ بات بھی معلوم تھی۔۔۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"بہت خوب! آج ہی آپ خطرے کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔۔۔ ایک ایسے خطرے کی لپیٹ میں کہ اس خطرے سے آپ کچھ بھی بچاؤ نہیں کر سکیں گے۔

"ارے باپ رے"۔ وہ گھبرا گئے

"بس! گھبرا گئے۔۔۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ میں آپ کا کچھ بگاڑ کر دکھاؤں"۔

"تو ذرا ہلکا ہاتھ رکھیں نا"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ہاتھ بہت ہلکا رکھوں گا۔ وہ بولا۔

"بلکہ اس سے بھی ہلکا"۔ فاروق بولا۔

"اچھی بات ہے"۔

"پیارے نوبا۔۔۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"کیا مطلب۔۔۔ میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا"۔ اس کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ کیا کہا"۔ شوکی چلا اٹھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ کیا ہوا ہے تمہیں"۔ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"آپ نے سنا نہیں۔۔۔ اس نے کیا کہا ہے؟"

"اس نے۔۔۔ یعنی نوبا نے۔۔۔ یہ کہا ہے کہ میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا"۔

"تو کیا یہ عجیب بات نہیں ہے"۔

"اوہ ہاں! بہت زیادہ عجیب۔۔۔ حد درجے عجیب"۔ وہ چلائے۔

"کیا مطلب؟" دوسرے حیران ہو کر بولے۔

"اگر نوبا کو پہلے ہی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔۔۔ تو اسے یہ بات کیوں معلوم نہیں ہوئی کہ میرے سوال کا مطلب کیا ہے۔۔۔ میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ آپ چاہتے کیا ہیں۔۔۔ ان کا جواب یہ ہے، میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔۔۔ آخر کیوں"۔

"اوہ ہاں مسٹر نوبا، اس سوال کا جواب دیں"۔

"میں سوال کا مطلب سمجھ گیا تھا۔۔۔ ایسے ہی آپ لوگوں سے پوچھنا چاہ رہا تھا"۔ نوبا نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو پھر بتائیں"۔

"میں چاہتا ہوں.... اس پوری دنیا کا حکمران ایک ہو اور وہ میں ہوں"۔

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں! یہی خواہش ہے میری"۔

"اچھی بات ہے.... کر لیں پھر اپنی خواہش پوری.... ویسے آپ کو آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں.... کہ آپ سے پہلے بھی کچھ لوگ اس خیال کو لے کر اٹھے تھے.... وہ پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتے تھے.... لیکن نہیں کر سکے.... موت نے انہیں آلیا.... ان میں سے ایک نام ہے سکندر.... اور دوسرا نام ہے ہٹلر"۔

"ان کے پاس یہ طاقت نہیں تھی.... جو میرے پاس ہے"۔ ژوبا نے ہنس کر کہا۔

"لیکن جس وقت یہ طاقت آپ سے چھن گئی.... آپ کہاں ہوں گے.... پتا ہے"۔

"یہی تو مشکل ہے.... آپ لوگ میری یہ طاقت نہیں چھین سکتے.... آپ میں وہ طاقت نہیں ہے"۔ اس نے کہا۔

"کیا کہا آپ نے.... ہم میں وہ طاقت نہیں ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! آپ میں وہ طاقت نہیں ہے"۔

"تب پھر وہ طاقت کس میں ہے؟" انہوں نے فوراً پوچھا۔

"کسی میں بھی نہیں"۔

"کم از کم ہم اس بات کو نہیں مانتے"۔

"کس بات کو؟"

یہ کہ آپ کو شکست دینے کی طاقت کسی میں نہیں ہے"۔

"اچھا تو پھر.... بتائیں.... کس میں ہے یہ طاقت؟"

"اللہ تعالیٰ میں"۔

"میں جانتا تھا آپ گھوم پھر کر اس بات پر آئیں گے"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا ہم غلط ہیں"۔

"ہاں بالکل.... جس کی تم عبادت کرتے ہو.... اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے"۔

"کیا.... کیا.... تم اللہ کا انکار کرتے ہو"۔

"ایک میں کیا.... ان گنت لوگ ایسے ہیں.... جو اللہ کا انکار کرتے ہیں.... اور ان گنت ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے تو ہیں.... لیکن ڈرتے اس سے ذرا سا بھی نہیں.... مجھے دیکھیں.... مجھ سے یہ لوگ کس طرح ڈرتے ہیں.... میرا نام سن کر تھر تھر کانپ اٹھتے ہیں.... بہت جلد آپ لوگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ کس طرح لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں"۔

"لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔۔۔ اللہ انھیں نظر نہیں آتا۔۔۔ لہٰذا اس سے نہیں ڈرتے۔۔۔ لیکن جب اللہ انھیں مصیبتوں میں اور مشکلات میں ڈالتا ہے۔۔۔ تب وہ کہتے ہیں یا اللہ ہمیں معاف کر دے۔۔۔۔ ہم سے بڑی بھول ہو گئی"۔

"حالانکہ جس سے وہ یہ بات کہتے ہیں۔۔۔ وہ ہے ہی نہیں"۔

"وحت تیرے کی۔۔۔ اب پتا چلا۔۔۔ ہمارا واسطہ اللہ کے منکر سے ہے"۔

"اس میں شک نہیں"۔

"اب تم سے بات کرنا فضول ہے۔۔۔ وقت ضائع کرنا ہے"۔

"او کے۔۔۔ آنا تو تمہیں میرے قدموں میں ہی ہے۔۔۔۔ اگر میں شہر کے لوگوں کو حکم دے دوں تو وہ سب مل کر تم لوگوں کی تکا بوٹی کر دیں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ انسپکٹر جمشید اس خیال سے ہی کانپ گئے۔

"اب تم جب چاہو آ جانا۔۔۔ نہ آنا چاہو۔۔۔ نہ آنا۔۔۔ میں ہر وقت، ہر جگہ تم پر وار کرنے کے قابل ہوں۔۔۔۔ جیسا کہ تم ابھی تھوڑی دیر آدھ گھنٹے بعد دیکھ لو گے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔۔۔۔ انھوں نے فوراً گھڑی دیکھی۔۔۔ اور اس اچانک وار سے بچاؤ کی تیاری کرنے لگے۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ وہ وار کس رخ سے کرے گا۔۔۔ اور کس طرح کرے گا؟"

"بھلا ہم کس طرح بتا سکتے ہیں"۔

اب تو وہ بری طرح گھبرا گئے۔۔۔ کسی کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس پر کیا مصیبت آنے والی ہے۔۔۔۔ تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔۔۔۔ چاہے قیامت ٹوٹنے والی ہو۔۔۔ لیکن اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ مصیبت اس پر ٹوٹنے والی ہے۔۔۔ تو اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔۔۔۔ چاہے مصیبت نہ ٹوٹے۔۔۔ اور اس وقت ان کا بھی یہی حال تھا۔۔۔ سکون برباد ہو گیا تھا۔۔۔ رنگ اڑ گئے تھے۔۔۔ کہ نہ جانے۔۔۔۔ حملہ کس طرف سے ہو گا۔۔۔ کس طرح ہو گا۔۔۔ اور کیسے ہو گا۔

بار بار ان کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھتی رہیں۔۔۔ آخر انتیس منٹ پورے ہو گئے۔۔۔ اب تو ان کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔

پھر جونہی تیس منٹ پورے ہوئے۔۔۔ کمرے کا دروازہ زوردار آواز سے کھلا۔

○☆○

خوفناک لمحات

ان کے دل زور سے دھڑکے... سب اپنا بچاؤ کرنے کے لیے تیار ہو گئے... لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا... جب انہوں نے ریاست مون کے حکمران... اپنے گہرے دوست کو آتے دیکھا... اس سے پہلے کہ وہ پرسکون ہو جاتے... ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے... کیونکہ دوست کے چہرے پر دہشت کے آثار تھے... اس نے سرسراہٹ زدہ آواز میں کہا۔

"ابھی اور اسی وقت میری ریاست سے نکل جاؤ... اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرنا"۔

ان پر سکتہ طاری ہو گیا... اوسان خطا ہو گئے۔

"ہوا کیا میرے دوست"۔

"خبردار جو مجھے دوست کہا... تم سے بڑا میرا دشمن کوئی نہیں۔ اگر فوری طور پر نہ نکل گئے تو میں اپنے فوجیوں کو حکم دے دوں گا کہ تمہیں ہلاک کر دیں"۔

"او کے سر... ہم جا رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ آواز

میں کہا۔

اور پھر وہ مہمان خانے سے نکل آئے... انہوں نے چاہا... ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روک لیں... لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں دیکھ کر ایک دم رفتار بڑھا لی... تاکہ ان سے دور نکل جائے"۔

"اب ہم کسی گاڑی میں سوار کس طرح ہوں"۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"شاید اس ریاست کی پوری زمین ہم پر تنگ کر دی گئی ہے"۔

"اللہ مالک ہے... ہم فوراً یہاں سے نکل جاتے ہیں"۔

وہ پیدل ہی چلتے رہے... یہاں تک کہ ریاست سے باہر نکل گئے... اب سب ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔

"تو یہ تھی وہ مصیبت... پتا نہیں اس نے حکمران کو ہمارے خلاف کس طرح کر دیا؟"

"ریاست کو تباہ کرنے کی دھمکی دی ہو گی"۔

"اوہ ہاں... خیر کوئی بات نہیں... دیکھا جائے گا"۔

دو تین گھنٹے آرام کرنے کے بعد وہ وہاں سے اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گئے... انہیں کئی گھنٹے تک پیدل چلنا پڑا... تب کہیں جا کر ایک بڑی گاڑی میں انہیں لفٹ ملی... اور وہ اپنے شہر پہنچے... انہوں نے فوراً اپنے خفیہ ٹھکانے کا رخ کیا... گاڑی سے وہ پہلے ہی اتر گئے تھے... خفیہ ٹھکانے کے دروازے اندر سے بند کر کے وہ اطمینان سے

بیٹھ گئے۔

"اب ہم چند دن یہاں آرام کریں گے.... اور سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے.... اور کیا نہیں"۔

"کیا اسے یہ بات معلوم نہیں ہو گئی ہو گی.... کہ.... ہم یہاں پہنچ چکے ہیں اور اس وقت کہاں ہیں"۔

"ایک منٹ جمشید.... میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے.... آؤ جلدی کرو"۔ ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

وہ فوراً اٹھ گئے اور باہر کی طرف دوڑے.... ادھر سے بیگم جمشید کھانا تیار کر کے لا رہی تھیں۔

"ٹرے ساتھ ہی لے آؤ بیگم.... راستے میں کھا لیں گے۔ پروفیسر صاحب کو کوئی بات سوجھ گئی ہے"۔

"تو اسے معلوم ہو چکا ہو گا کہ انہیں کیا سوجھ گیا ہے"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"دیکھنا تو یہی ہے.... آؤ"۔

وہ خان رحمان کی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے اور کھانے کی ٹرے سے انصاف کرنے لگے۔

"ساحل کی طرف.... جلدی جمشید"۔ پروفیسر داؤد چلائے۔

"آپ کا مطلب ہے.... میں بہت تیز چلوں"۔

"ہاں! اس قدر تیز کہ آج تک تم نے اس قدر تیز ڈرائیونگ نہ

کی ہو"۔

"جی اچھا.... لیکن اس طرح کوئی حادثہ ہو سکتا ہے"۔

"تب پھر تمہاری مہارت کس دن کام آئے گی"۔

"اوہ اچھا"۔

اور پھر انتہائی خطرناک ڈرائیونگ کرتے ہوئے.... وہ ساحل تک پہنچے.... پروفیسر داؤد اترتے ہی دوڑ پڑے.... اور اس آب دوز تک پہنچ گئے.... جو ان کے لیے ہر وقت تیار کھڑی رہتی تھی.... جونہی وہ آب دوز میں سوار ہوئے.... وہ سمندر میں آگے بڑھی اور ساتھ ہی پانی میں بیٹھتی چلی گئی۔

"اب! جمشید.... اپنے خفیہ کارکن سے بات کرو.... کہ تو بتائے ہم کہاں ہیں؟"

"اوہ.... اوہ"۔ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر انہوں نے فون کیا.... آدھ گھنٹے بعد ماتحت کی آواز سنائی دی۔

"اس نے کہا ہے.... وہ آپ کو تھوڑی دیر تک فون کرے گا.... اس وقت وہ بہت مصروف ہے"۔

"کیا کہا.... وہ تھوڑی دیر تک فون کرے گا"۔

"ہاں سر.... اس نے یہی کہا ہے"۔

"اوہ! یہ بہت برا ہوا"۔ وہ پریشان ہو گئے۔

"جی کیا مطلب.... اس میں پریشانی کی کیا بات ہے"۔ فاروق چونکا۔

"پریشانی کی بات ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بھی چلا اٹھے۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟" انسپکٹر جمشید نے کارکن سے پوچھا۔

"پرنس روڈ پر"۔

"تب پھر جس قدر جلد ممکن ہو سکے.... اڈے نمبر تین پر آ جاؤ.... ورنہ تمہاری خیر نہیں۔۔۔ وہ تم تک پہنچ جائے گا.... تمہیں اغوا کرے گا اور پھر تم سے پوچھے گا۔۔۔ بتاؤ.... ہم کہاں ہیں"۔

"جی کیا مطلب؟"

"اب باتوں کا وقت نہیں"۔

"اوہ۔۔۔ اف میرے مالک.... سر.... سر وہ آ پہنچے.... موت کے ہرکارے"۔

"تب پھر تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"جو آپ حکم فرمائیں"۔

"انہیں بتا دو.... ہم کہاں ہیں؟"

"یہ نہیں ہو سکتا سر"۔

"اپنی جان بچا لو۔۔۔ یہ میرا حکم ہے"۔

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔۔۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔

"خان رحمان.... فوری طور پر آب دوز کو سطح پر لے چلو اور ساحل پر چلے چلو"۔

"او کے"۔ انہوں نے کہا۔

اب انہوں نے پھر اس کارکن کے نمبر ملائے.... فوراً" ہی ریسیور اٹھایا گیا۔۔۔ اور کارکن کی بجائے ایک کھردری آواز سنائی دی۔

"کون؟؟"

"انسپکٹر جمشید.... اس کارکن کو کچھ نہ کہیں.... ہم اس وقت ساحل سمندر پر موجود ہیں.... اور اس ساحل کا نام ہے نیلا آسمان"۔

"او کے.... ہم اسے اب کیوں کچھ کہیں گے.... جو کچھ اس سے پوچھنا تھا' آپ نے بتا دیا.... دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

جلد ہی وہ ساحل پر موجود تھے۔۔۔ اب انہوں نے پھر اس کارکن کے نمبر ملائے.... فوراً" اس کی آواز سنائی دی۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا سر؟"

"تمہاری جان بچانے کے لیے"۔

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا سر"۔

"میرا ہر کارکن میرے لیے اتنا ہی اہم ہے.... جتنا کہ میں اپنی نظروں میں۔۔۔ تم اپنا کام کرو اور اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہاری وجہ سے انہیں مجھے اپنی پوزیشن بتانا پڑی ہے"۔

"جی بہتر"۔

انہوں نے فون بند کر دیا' اسی وقت ان کے فون کی گھنٹی بجی... انہوں نے بٹن آن کیا تو نوبا کی آواز سنائی دی۔

"میں ذرا مصروف ہوں.... کیا آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"جاننا چاہتے تھے.... لیکن آپ کے آدمیوں نے میرے کارکن کے پاس آ کر غلطی کی"۔

"کیا مطلب... کون سے کارکن کی بات کر رہے ہیں"۔

"جس نے میرے کہنے پر آپ کو فون کیا تھا؟"

"ارے نہیں.... ایسی کوئی بات نہیں"۔

"خیر نہیں ہو گی کوئی ایسی بات.... بتا دیں.... ہم اس وقت کہاں ہیں؟"

"ساحل سمندر پر.... اور ساحل کا نام ہے نیلا آسمان"۔

آپ نے بالکل ٹھیک بتایا.... آپ کی کاری گری کی داد دینا پڑتی ہے"۔

"ہاہاہا.... لیکن آپ لوگ بھی کم چالاک نہیں ہیں.... اچھا پھر ملیں گے.... میں اس وقت بہت مصروف ہوں"۔

"بہت اچھا"۔

جونہی فون بند کیا گیا.... انہوں نے خان رحمان کو اشارہ کیا... پھر سمندر میں چلیں.... اور آخر ان کی آب دوز سمندر میں اتر گئی۔

"اب خان رحمان جس قدر تیز آگے جا سکتے ہو.... چلو.... وہ آ رہا ہے"۔

"کک.... کون"۔ وہ چلائے۔

"نوبا.... نوبا کے جلاد.... آ رہے ہیں.... اس نے انہیں حکم دے دیا ہے کہ ہم لوگوں کو قتل کر دیا جائے"۔

"یہ آپ.... کیا کہہ رہے ہیں.... آپ کو کیسے پتا چل گیا.... کہ اس نے یہ حکم دیا ہے"۔

"اس نے جان لیا ہے کہ ہمیں اس کے کمزور پہلو کا پتا چل گیا ہے.... اور اب ہم اس کمزور پہلو سے کچھ نہ کچھ کام نکالیں گے"۔

"اور وہ کمزور پہلو کیا ہے؟"

"یہ کہ.... جب ہم سمندر کی تہ میں اتر جاتے ہیں.... اس وقت وہ نہیں بتا سکتا کہ ہم کہاں ہیں"۔

"اوہ.... اوہ"۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس کمزور پہلو سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں"۔

"یہ بعد کی بات ہے.... ابھی ہمیں کچھ پتا نہیں"۔

"جمشید.... سمندر میں آب دوزیں ہماری طرف بڑھ رہی ہیں"۔ خان رحمان چلائے۔

"مجھے اسی بات کا ڈر تھا"۔

"پھر اب میں کیا کروں؟"

"کیا! یہ ہمیں آلیں گی خان رحمان؟"

"ہاں جمشید... اس لیے کہ وہ بے شمار ہیں اور سمندر میں چاروں طرف ہیں... یہاں تک کہ ہم سے آگے بھی پہنچی ہوئی ہیں"۔

"اچھی بات ہے... اب آب دوز میں چلاؤں گا"۔

"کیا مطلب... جمشید... کیا تم یہ خیال کر رہے ہو کہ تم آب دوز چلانے میں مجھ سے زیادہ ماہر ہو"۔

"مجھے افسوس ہے خان رحمان"۔

"کیسا افسوس؟"

"یہ کہ میں واقعی تم سے زیادہ ماہر ہوں"۔

"ایسی بات تم نے زندگی میں پہلی بار کہی جمشید"۔

"اس لیے کہ اس وقت میں یہ کہنے پر مجبور ہوں... ورنہ تم آب دوز کا سٹیرنگ مجھے نہیں دو گے"۔

"او اچھا... دیکھ لیتے ہیں پھر آج تمہاری مہارت... ویسے کیا تم ان سب سے ٹکرا جانے کا ارادہ کر رہے ہو؟"

"چاہتا تو میں یہ ہوں کہ ان سے ٹکرائے بغیر ہم نکل جائیں... لیکن یہ ایسا کیوں کرنے دیں گے ہمیں"۔

"او کے... اب جو تم کرنا چاہتے ہو کر گزرو"۔

"میں انہیں تارپیڈو ماروں گا"۔

"وہ تو ٹھیک ہے جمشید... لیکن یار تم یہ خیال کر رہے ہو، ان کے پاس تارپیڈو نہیں ہیں؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ان کے پاس بھی تارپیڈو ہیں... میں جانتا ہوں... ہم سے کہیں زیادہ تعداد میں ہیں اور یہ ہم پر چاروں طرف سے چلائیں گے... اسی لیے میں نے آب دوز تم سے لی ہے"۔

"اوہ... اب میں سمجھا... تم خود کو ان کے نشانوں سے بچاتے ہوئے... انہیں تارپیڈو کا نشانہ بنانے کی کوشش کرو گے"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"اچھا... میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا شروع کرتا ہوں"۔

"صرف آپ ہی نہیں... ہم سب"۔

اور پھر وہاں ایک ہولناک جنگ چھڑ گئی... سمندر کے گہرے پانی میں تارپیڈو میزائلوں کی طرح ادھر سے ادھر آتے جاتے نظر آنے لگے۔

خان رحمان اور باقی لوگ حیرت زدہ سے اس لڑائی کو دیکھ رہے تھے... انہوں نے اس قسم کی لڑائی پہلے بھی کئی بار دیکھی تھی... لیکن یہ ان سب سے خوفناک تھی... وہ اس وقت پندرہ آب دوزوں کے گھیرے میں تھے... اور وہ پندرہ کی پندرہ ان پر تارپیڈو فائر کر رہی تھیں... انسپکٹر جمشید آب دوز کو بھی یک دم پانی میں اور گہرائی میں لے جاتے تو کبھی اوپر ابھر جاتے... اور ساتھ ہی وہ خود بھی تارپیڈو فائر

کر رہے تھے... اچانک انہوں نے ایک آب دوز کو ٹکڑوں میں بکھرتے دیکھا۔

"بہت خوب جمشید... تم نے کمال کر دیا"۔

"ہاں... لیکن یار... ابھی چودہ باقی ہیں... اور یہ لوگ فون کر کے اور منگا لیں گے"۔

"اوہ ہاں! اس وقت ملک کا صدر ان کے قبضے میں ہے"۔ خان رحمان بولے۔

باقی لوگ بھی کانپ گئے۔

"تب پھر ہم کیا کر سکتے ہیں... ایسے میں پروفیسر عقدان کی آواز سنائی دی۔

"صبر"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"واقعی... صبر کے سوا اور ہم کیا کر سکتے ہیں... یوں بھی صبر تو انسانی زندگی کے ہر مرحلے پر کرنا چاہیے"۔

اس وقت انہوں نے دوسری آب دوز کو ٹکڑوں میں تبدیل ہوتے دیکھا۔

"وہ مارا... ایک اور گئی"۔

"ہاں! ایک اور گئی... لیکن اور کتنی آ جائیں گی... یہ سوچ لیں پہلے"۔

"کچھ بھی ہو جمشید... ہمیں اب اس کے مقابلے میں ایک

برتری حاصل ہے... یہ کہ سمندر کے نیچے وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا... اس وقت سمندر کے نیچے کیا صورت حال ہے... وہ یہ بذریعہ فون تو معلوم کر سکتا ہے... اپنے علم کے ذریعے نہیں... اور یہ کوئی معمولی کامیابی نہیں ہے"۔ پروفیسر داؤد نے کہا۔

"اگر یہ بات کوئی بڑی بات ہے پروفیسر صاحب... تب بھی... ہم اس سے فائدہ اس وقت اٹھا سکیں گے... جو یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں"۔

"ان شاء اللہ ہم نکل جائیں گے"۔ اشفاق کی آواز ابھری۔

"میرا خیال ہے... تم لوگ آپس میں باتیں کرو... میں انہیں دیکھتا ہوں... دراصل مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں ہمارے پاس تارپیڈو ختم نہ ہو جائیں... ان کے پاس تو ختم ہوں گے نہیں... اور اگر ایسا ہوا تو تب کیا ہو گا"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... آپ ہمیں ایسی خوفناک خبریں نہ سنائیں"۔

"اچھی بات ہے... میں کوشش کروں گا... کہ آپ لوگوں کو ایسی خوفناک خبر نہ سنائی دے"۔

جنگ لمحہ بہ لمحہ ہولناک ہوتی چلی گئی... اب آب دوزیں انہیں آس پاس حرکت کرتی نظر آ رہی تھیں... ان کو لانے والوں کو شاید ان کا کوئی خوف نہیں تھا... ان کے سروں پر تو بس ایک دھن سوار

تھی.... یہ کہ ان کو ختم کر دیا جائے.... ان کی آب دوز کو تباہ و برباد کر دیا جائے.... تاکہ وہ پانی میں ہی دفن ہو جائیں.... لہٰذا اب تارپیڈو بھی اندھا دھند فائر کر رہے تھے.... جب کہ انسپکٹر جمشید اپنے تارپیڈو نہایت احتیاط سے استعمال کر رہے تھے.... ایسے میں انھوں نے دیکھا.... ان کے پاس کل گیارہ تارپیڈو رہ گئے ہیں.... جب کہ ان کے گرد گھیرا ڈالنے والی آب دوزیں کم از کم دو درجن تو ضرور تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس ان کی نسبت بہت زیادہ تارپیڈو تھے۔

انسپکٹر جمشید اب تک بے فکری سے جنگ لڑتے رہے تھے۔ اب بھی ان کے انداز میں بے فکری ہی تھی.... وہ ذرا بھی فکر مند نظر نہیں آ رہے تھے۔ لڑائی میں ان کی توجہ اس قدر تھی کہ انھیں ان سب کی موجودگی کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا.... وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے، لیکن انھیں ان کی باتیں سنائی ہی نہیں دے رہی تھیں۔

اور پھر ان کے پاس تارپیڈو ختم ہو گئے.... انھوں نے چاہا.... یہ خبر اپنے ساتھیوں کو سنا دیں.... لیکن پھر خیال آیا.... وہ یہ خوفناک خبر سنا کر انھیں پریشان کیوں کریں۔

انھیں ایسے میں اور تو کچھ نہ سوجھا۔ فوراً" آب دوز کو پانی کی سطح پر لے آئے.... اور اس کا رخ ساحل کی طرف کر دیا۔

"یہ کیا.... ہم تو ساحل پر آ گئے"۔

"ہاں! اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا.... تارپیڈو ختم

ہو گئے تھے.... اب ان کے تارپیڈوز سے بچنے کے لیے میں یہی کر سکتا تھا کہ فوراً" اوپر آ جاؤں.... اب وہ کم از کم تارپیڈو مار کر ہماری آب دوز کو ٹکڑوں میں تبدیل نہیں کر سکیں گے"۔

"لیکن.... وہ بم تو مار سکتے ہیں"۔

"ہاں! لیکن بم ہمارے پاس بھی ہیں.... جب کہ تارپیڈو ختم ہو گئے ہیں"۔

"تب پھر جمشید.... اب آب دوز میرے حوالے کر دو.... مجھے سطح پر لڑنے کا بہت تجربہ ہے اور بموں سے کام لینے کا بھی.... میں بحری فوج میں بھی رہا ہوں"۔

"اچھی بات ہے.... لے لو"۔ انھوں نے کہا۔

اب آب دوز لانچ بن چکی تھی.... خان رحمان نے اس کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ایسے میں انھوں نے چار جنگی جہاز اپنی طرف چاروں طرف سے بڑھتے دیکھے۔

خون انھیں اپنی رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔

○☆○

تنور

اف مالک.... چار جنگی جہاز.... اب کیا ہو گا جمشید.... کیا ہم اس لانچ سے چار جنگی جہازوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں کر سکتے"۔ وہ مسکرائے۔

"تب پھر آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟"

"رو کر بھی کیا کر لوں گا.... کہ مسکراؤں نہ.... اس طرح دشمن یہ تو کہہ سکے گا کہ مرتے وقت بھی انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ تھی"۔

"تب پھر.... ہم سب مسکرائیں گے"۔

"اوہ ہاں.... ضرور.... کیوں نہیں"۔ وہ اور بھی بھرپور انداز میں مسکرائے۔

ایسے میں ایک جہاز سے اعلان کیا گیا۔

"ہتھیار پھینک دو.... ورنہ ہم لانچ کو اڑا دیں گے.... نیچے آب دوزیں موجود ہیں.... جو تارپیڈو سے تمہیں اڑا دیں گی.... اوپر یہ جہاز.... اب تم کر ہی کیا لو گے؟"

انہوں نے چند لمحے سوچا.... باقی سب بھی سوچ میں ڈوب چکے تھے۔

"خان رحمان! اب.... اب ہم کیا کر سکتے ہیں"۔

"ہتھیار پھینک دو جمشید.... اگر یہ ہمیں ختم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے.... تب ہمیں موقع مل سکتا ہے.... کہ ہم ان کے خلاف کچھ کر سکیں"۔

"او کے"۔ انہوں نے ان سے کہا.... باقی ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی.... اور بولے۔

"باقی لوگوں کو ہتھیار ڈال دینے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے"۔

"جی نہیں.... ان حالات میں کوئی کیا انکار کرے گا.... جو آپ مناسب سمجھتے ہیں.... کر لیں.... ہم ہر طرح حاضر ہیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"شکریہ دوستو.... تم سب بہت اچھے دوست ہو.... اور ہمارے پروفیسر صاحبان بھی بہت اچھے دوست ہیں"۔

"ارے تو یہ آپ دوستی کا ذکر کیوں کرنے لگے.... وہ برابر ہماری طرف بڑھ رہے ہیں.... اب ہم مکمل طور پر ان کے گھیرے میں ہیں.... لانچ کو کسی طرف سے بھی نکال کر نہیں لے جا سکتے"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے بلند آواز

میں کہا۔

"بہت خوب! یہ کی ہے تم لوگوں نے عقل کی بات.... اپنے ہتھیار پانی میں گرا دو.... اور ذرا بھی غلط حرکت کی تو ہم فائر کھول دیں گے"۔

"فکر نہ کرو"۔ وہ بولے۔

انہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے۔

"آب دوز کا انجن بند کر دو... ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کے تختے پر کھڑے ہو جاؤ.... ہمارا جہاز نزدیک آ رہا ہے.... تمہیں جہاز پر سوار ہونا ہے"۔

"اچھا"۔ انہوں نے کہا اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

ان کے چہرے ایک دوسرے کی طرف اٹھ رہے تھے.... جیسے پوچھ رہے ہوں۔

"اب کیا ہو گا؟"

"وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا"۔

اور پھر انہیں جہاز پر سوار کر لیا گیا... یہاں انہیں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں.... ایک گھنٹے بعد انہیں صدر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا.... صدر صاحب انہیں دیکھ کر مسکرائے۔

"تو تم فرار ہو رہے تھے؟" صدر صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کوشش یہی تھی"۔

"تم نوبا سے بھاگ کر نہیں جا سکتے.... میری طرح تم بھی اس کی اطاعت قبول کر لو.... فائدے میں رہو گے"۔

"کیا فائدے میں رہیں گے"۔ شوکی نے چہک کر کہا۔

"بے تحاشا"۔

"تب کم از کم میں اطاعت قبول کرتا ہوں"۔ شوکی بولا۔

"کیا کہا... تم اور اس کی اطاعت کا اعلان کر رہے ہو.... جانتے ہو.... مسٹر نوبا کی اطاعت کا مطلب کیا ہے؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"وہ تم سے کہے گا.... اسے خدا مان لو... تو کیا تم مان لو گے"۔

انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"نن نہیں.... نہیں... ہم یہ تو نہیں مان سکتے"۔

"بس تو پھر... ہم نے ہتھیار ڈال دیے ہیں.... اب یہ جو ہمارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں، کر لیں.... ہم نوبا کی اطاعت قبول نہیں کریں گے"۔

"بہت بہتر.... تم لوگوں نے سنا... ہم نوبا کی اطاعت نہیں کریں گے"۔

"تب پھر تمہارے لیے سزا بہت سخت تجویز کی گئی ہے"۔ صدر نے کہا۔

"اور وہ کیا صاحب صدر؟" فاروق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آگ میں جلایا جائے گا"۔

"یہ کوئی نئی سزا نہیں ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب.... یہ کوئی نئی سزا نہیں ہے"۔

"ہاں! پہلے بھی حق کہنے والوں کو آگ میں جلانے کے پروگرام بنائے گئے.... کچھ کو جلا بھی دیا گیا.... کچھ کو اللہ نے اپنی حکمت سے بچالیا.... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نمرود نے آگ میں پھینکنے کا پروگرام بنایا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا.... آگ انہیں نہ جلا سکی"۔

"چلو پھر تم بھی آگ سے بچ کر دکھا دینا"۔

"نہیں! میرا یہ مطلب نہیں تھا.... یہ کمال انسانوں میں ہوتا ہی نہیں.... ایسا کوئی کام کر کے دکھا سکیں.... یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہوتا ہے.... انبیاء کرام سے جو معجزات ہوتے ہیں.... وہ اللہ کی مہربانی سے ہوتے ہیں.... وہ اپنی مرضی سے کوئی معجزہ دکھانا چاہیں تو نہیں دکھا سکتے.... یہی حال اولیائے کرام کی کرامتوں کا ہے.... وہ بھی اپنی مرضی سے کوئی کرامت نہیں دکھا سکتے.... کچھ لوگ سمجھتے ہیں.... انبیاء اور اولیاء اپنی مرضی سے جب چاہیں' جیسا چاہیں' معجزے دکھا سکتے ہیں' کرامت دکھا سکتے ہیں.... یہ بات ہرگز نہیں"۔

"یہ آپ کیا باتیں لے بیٹھے؟"

"جب میں لوگوں کو گمراہ کن کام کرتے دیکھتا ہوں کہ لوگوں نے تباہ کن عقیدوں کو اپنا لیا ہے.... اور شرک اور بدعات کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں تو پھر میں ایسی باتیں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں"۔

"اچھا! بس آپ کہہ چکے جو کہنا تھا"۔ صدر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل"۔

"کل صبح میدان کے درمیان میں ایک بہت بڑا تنور دہکایا جائے اور اس تنور میں ان سب کو ڈال دیا جائے"۔ صدر نے حکم دیا۔

"نہیں نہیں"۔ کئی ملازم بول اٹھے۔

"کیوں.... تم لوگوں کو کیا ہوا؟" صدر نے انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"لک.... کچھ نہیں سر.... آخر یہ آپ کے اتنے پسندیدہ ساتھی رہے ہیں"۔

"وہ میری بھول تھی.... بلاوجہ انہیں سر پر چڑھا لیا تھا میں نے.... سمجھے تم"۔ صدر صاحب گرجے۔

"یس.... یس سر"۔ وہ کانپ گیا۔

"بس تو پھر.... اپنا کام کرو"۔

"او کے سر.... آپ جو حکم دیں گے.... کریں گے"۔

"لے جاؤ انہیں.... ڈال دو کال کوٹھڑی میں.... ہاتھوں پیروں

میں بیڑیاں ڈالنا نہ بھولنا.... یہ لوگ فرار ہونے میں بہت تیز ہیں"۔

"بہت بہتر سر.... آپ فکر نہ کریں"۔

اور پھر انھیں قید کر دیا گیا.... ہاتھوں پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں.... قید خانے کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

"اور وہ.... مسٹر نوبا.... وہ کہاں گیا؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب اسے سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے.... وہ اپنا کام اس ملک کے صدر کے ذریعے لے رہا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہم اب تک صرف اپنے آپ کو اس کی نظروں سے بچانے کے چکر میں ہیں.... اور اس کی کوشش ہے کہ ہمیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے.... پتا نہیں' اسے صرف ہم سے کوئی خطرہ کیوں محسوس ہوتا ہے.... ہم تو پھنس گئے مشکل میں.... اس کے خلاف کریں تو کیا.... اور اگر آج رات ہم اس قید خانے سے نہ نکل سکے.... تو کیا کل ہم تنور میں جلنے سے بچ سکیں گے"۔

"یہ تو اللہ تعالیٰ کو پتا ہے"۔

"نوبا کو یہ بات معلوم ہے یا نہیں.... سوال تو یہ ہے"۔ اچانک محمود نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ سب اچھل پڑے۔

انھوں نے حیرت زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہاں واقعی.... یہ ایک بہت اہم بات ہے.... کیا اس بات کا علم نوبا کو ہے"۔

"یہ تو اس سے معلوم کرنا ہی پڑے گا"۔

"ارے باپ رے.... اگر اس نے کہہ دیا کہ ہاں.... مجھے معلوم ہے.... کل تم جل کر راکھ ہو جاؤ گے"۔ مکھن نے لرز کر کہا۔

"نہیں نہیں"۔ پروفیسر عقلان چلائے۔

"آپ کو کیا ہوا؟" پروفیسر داؤد اس کی طرف مڑے۔

"مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے"۔

"ڈر لگے یا نہ لگے.... مرنا تو پڑے گا آپ کو"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! مرنا پڑے گا.... لیکن.... کوئی مجھے یہ نہ بتائے کہ میری موت کا وقت کب آ رہا ہے"۔

"یہ تو ویسے بھی کسی کو معلوم نہیں"۔

"اور یہ جو بات ہو رہی ہے؟"

"یہ اس شخص کا دعویٰ ہے.... کہ اسے معلوم ہوتا ہے.... کل کیا ہونے والا ہے"۔

"ایک منٹ.... میں صدر سے بات کرتا ہوں"۔

انھوں نے اپنی گھڑی کے ذریعے صدر کے نمبر ڈائل کیے.... سلسلہ ملنے پر صدر کی آواز سنائی دی۔

"صاحب صدر..... انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"کیا مطلب..... قید خانے میں فون کی سہولت تمہیں کس نے دے دی"۔ وہ چلائے۔

"اللہ تعالیٰ نے"۔

"نہیں بتاؤ پہلے..... تم فون کرنے کے قابل کس طرح ہو"۔

"ایسے راز اب میں آپ کو تو نہیں بتا سکتا..... کیونکہ اب آپ مکمل طور پر نوبا کے کنٹرول میں ہیں"۔

"نہیں..... میں نوبا کے کنٹرول میں نہیں ہوں"۔

"اچھا چلئے..... آپ کا نوبا سے رابطہ تو ہے"۔

"ہاں بالکل"۔

"مہربانی فرما کر اس سے ایک بات پوچھ دیں..... اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ کل ہم آگ میں جل کر مر جائیں گے یا نہیں..... کیا کسی طرح ہم بچ نکلیں گے"۔

"اوہ..... اوہ"۔ صدر کے منہ سے نکلا۔

"کیا ہوا آپ کو"۔

"وہ ..... وہ میرے کانوں میں کہہ رہا ہے..... تم سب کل جل کر راکھ ہو جاؤ گے..... بچ نہیں سکو گے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

"ہاہاہا"۔ صدر نے قہقہہ لگایا۔

اور انہوں نے فون بند کر دیا..... اب انہوں نے اپنی خفیہ فورس سے رابطہ کیا..... اور ایسا انہوں نے کوڈ الفاظ میں کیا..... انہیں تمام ہدایات کوڈ میں دیں..... پھر فون بند کر دیا۔

عین اس وقت صدر صاحب اپنے خاص دستے کے ساتھ آتے نظر آئے..... قید خانہ کا دروازہ کھولا گیا..... اس وقت بھی اگر وہ چاہتے تو وہاں سے نکل سکتے تھے..... لیکن ان میں سے اکثر مارے جاتے اور یہ وہ پسند نہیں کرتے تھے۔

"اب کیسے آنا ہوا صدر صاحب؟"

"اس کے ہاتھ سے گھڑی اتار لو"۔

"اوہ تو آپ کا خیال ہے..... میں اس گھڑی کے ذریعے آپ کو فون کر رہا تھا"۔

"ہاں! یہ خیال نہیں..... یہی بات تھی"۔

"یہ لیں گھڑی"۔ انہوں نے اتار کر دے دی۔

"ایک نہیں..... ان سب کی گھڑیاں اتار لیں"۔

"لیکن سر..... اس کی کیا ضرورت ہے؟" وہ مسکرائے۔

"کیوں..... ضرورت کیوں نہیں..... تم تو یہاں بیٹھے جسے چاہو فون کرتے رہو گے"۔ انہوں نے چیخ کر کہا۔

"تب بھی سر اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"کیوں... فرق کیوں نہیں پڑے گا"۔ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"جب کل ہم جل کر مر جائیں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا کہ ہم کسی کو یہاں سے فون کرتے ہیں"۔

"نہیں... ہم تم لوگوں کو اتنی رعایت بھی نہیں دے سکتے"۔

"آپ کی مرضی سر"۔

اور ان سب کی گھڑیاں اتار لی گئیں... پھر مزید تلاشی لی گئی اور کسی کے پاس کوئی چیز بھی نہیں رہنے دی گئی... پھر قید خانے کا دروازہ بند کر دیا گیا... اور پہلے کی نسبت زیادہ آدمی وہاں مقرر کر دیے گئے۔ جاتے ہوئے صدر صاحب نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور بولے۔

"خدا حافظ جمشید... یہ ہماری آخری ملاقات ہے... کل میں میدان میں نہیں آؤں گا"۔

"کیوں... کیا آپ ہمیں جلتے نہیں دیکھنا چاہتے"۔

"نہیں... بس... میں ایوان صدر میں رہ کر دیکھ لوں گا"۔

"جیسے آپ کی مرضی... ہم کیا کر سکتے ہیں"۔

اور صدر چلے گئے۔

"فون کرنے کا سہارا بھی چھوٹ گیا"۔ شوکی نے سرد آہ بھری۔

"کوئی بات نہیں... اللہ کو یاد کرو... مرنا تو ایک دن ہے ہی۔

یہ کل نہیں آئے گی تو کسی اور دن آئے گی... بس اللہ کو یاد کرو"۔

وہ سب اللہ کے ذکر میں ڈوب گئے... ان کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ رہے تھے... عجیب و غریب حالت تھی... ایک شخص نے کتنے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا... اپنے صرف ایک کمال کے ذریعے۔

"انکل... معاف کیجئے گا"۔ ایسے میں آصف کی آواز ابھری۔

"معاف کیا... ہاں بھئی... سب ایک دوسرے سے اپنا کہا سنا معاف کرا لیں... تاکہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے اٹھ سکیں"۔

"لیکن یہاں ہمارے علاوہ اور ہے کون؟"

"باقی لوگ تو ویسے ہی معاف کر دیں گے... پہلے تم تو آپس میں معاف کرا لو"۔

"تب پھر میں نے آپ سب کو معاف کیا؟"

"میں نے بھی آپ سب کو معاف کیا"۔

اس طرح ہر ایک نے یہ جملہ ادا کیا... پھر وہ ذکر میں ڈوب گئے... اس طرح نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی... دوسرے دن انہیں ناشتا دیا گیا... وہ بہت گھٹیا درجے کی چیزوں سے تیار کیا گیا تھا... پھر بھی انہوں نے صبر شکر کے ساتھ ناشتا کیا۔

وہ پھر ذکر میں لگ گئے... اور آخر شام کے چار بجے صدر صاحب کا خاص دستہ آتا نظر آیا... قید خانے کا دروازہ کھولا گیا۔

"تمہارے لیے تنور دہکا دیا گیا ہے"۔ ان کے انچارج نے کہا۔

انہوں نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا۔
پھر دستے کے انچارج نے کہا۔
"چلو اب موت کی طرف تمہارا سفر شروع ہوتا ہے"۔
وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

○☆○

ان کے شہر میں ایک بہت بڑا میدان تھا... کوئی بڑا جلسہ ہوتا یا کوئی بڑی تقریب ہوتی تو اس میدان میں ہوتی... آج کی تقریب بھی اس میدان میں ہونا تھی۔

میدان کے عین بیچ ایک بہت بڑا تنور رکھا گیا تھا... اس کو رکھا بھی اونچی جگہ پر گیا تھا... تاکہ سب لوگ آسانی سے دیکھ سکیں... اس سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے... اس میں لکڑیوں کی جگہ تیل جلایا جا رہا تھا... گہرے دھوئیں کا بادل اوپر اٹھ رہا تھا اور اس آگ کو دیکھ کر ہی خوف محسوس ہوتا تھا... پروفیسر عقلان تو اس کو دیکھ کر ہی کانپنے لگے۔

"خود کو سنبھالیں پروفیسر صاحب... موت اٹل ہے... وہ آ کر رہے گی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم... میں... میں کوشش کر رہا ہوں"۔ وہ لرز کر بولے۔

اب انہیں تنور کی طرف لے جایا جا رہا تھا... اور میدان لوگوں سے اٹا پڑا تھا... ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے... شاید ان میں

سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں آگ میں جلایا جائے.... ایسے میں میدان میں نوبا کی آواز ابھری۔

"شہر کے لوگوں.... دیکھ لو.... باغیوں کا کیا انجام ہوتا ہے.... یہ ہیں نوبا کے باغی"۔

"نن.... نوبا کے باغی"۔ فاروق نے کانپ کر کہا۔

"کیوں.... تمہیں کیا ہوا؟"

"میرا مطلب ہے.... یہ.... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

"حد ہو گئی.... موت کے منہ کی طرف جا رہے ہیں اور ناولوں کے نام سوجھ رہے ہیں"۔ آفتاب نے تلملا کر کہا۔

"بہت خوب فاروق.... اسی کو زندہ دلی کہتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی تعریف کی۔

"ایک تو ان صاحب کی تعریف ہونے لگتی ہے"۔

"سوال یہ ہے کہ یہ ہمیں تنور میں گرائیں گے کیسے.... تپش کی وجہ سے تنور کے پاس کیسے جائیں گے"۔

"بس.... پتا نہیں.... یہ بات ہم کیوں سوچیں.... ہمیں کیا فائدہ.... ہمیں تو تنور میں گرنا ہے.... بس گر جائیں گے.... اس سے کیا فرق کہ کیسے گرائے جاتے ہیں"۔ شوکی نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

انسپکٹر جمشید مسکرا اٹھے۔

"حیرت ہے انکل.... آپ ان حالات میں بھی مسکرا سکتے ہیں"۔

"اللہ کی مہربانی ہے.... ورنہ ان لمحات میں اچھے اچھوں کا پتا پانی ہو جاتا ہے"۔

"اور وہ آپ نے فون کیا تھا"۔ فرحت نے دبی آواز میں کہا۔

"تیل دیکھو.... تیل کی دھار دیکھو.... ویسے مجھے اس وقت وہ منظر یاد آ رہا ہے.... جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں گرانے کا پروگرام بنایا تھا.... اس نے بہت بڑی آگ جلوائی تھی.... اس قدر بڑی تھی وہ آگ کہ اس کے نزدیک جانا بھی ممکن نہیں رہا تھا.... چنانچہ اس وقت سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ انہیں آگ میں کیسے ڈالا جائے.... چنانچہ ایک پنگوڑا جیسی چیز بنائی گئی تھی.... اس میں انہیں بھلا دے کر آگ میں پھینکا گیا تھا.... انتہائی قابل ذکر بات اس واقعے میں یہ ہے جب انہیں آگ میں گرایا جانے لگا تھا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت جبرائیل تشریف لائے اور ان سے کہا۔

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کروں"۔

تو انہوں نے جواب دیا۔

"کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے"۔

"نہیں.... میں خود آیا ہوں"۔ انہوں نے جواب دیا۔

"تب پھر مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں.... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تھا۔

"تو پھر اپنے اللہ سے مدد مانگ لیں.... دعا کر لیں"۔ جبرائیل علیہ

السلام نے کہا۔
"دنیا وہ دیکھ نہیں رہا... وہ میرے حال کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے"۔

چنانچہ انہیں آگ میں پھینک دیا گیا... اور ادھر اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا۔ ٹھنڈی بھی ایسی کہ اس کی ٹھنڈک تکلیف دینے والی نہ ہو... تاکہ میرے ابراہیم کو سردی نہ محسوس ہونے لگے۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ نمرود ناکام ہو گیا... اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے طفیل ہمیں بھی اس آگ سے بچائے آمین"۔ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"اور آپ نے دعا کیوں کی؟"

"ہم نبی نہیں ہیں... بہت کمزور بندے ہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"تب پھر ہم بھی حضرت ابراہیم کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرتے ہیں"۔

"ہاں بالکل... یہ بہت ضروری ہے... خاص طور پر اس وقت ہم سب کو اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے... پتا نہیں ہم اس آگ سے بچتے ہیں یا نہیں... جیسا کہ تو بابا نے بتایا ہے... کہ ہم جل مریں گے... تو پھر تو ہمیں دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرما دیں"۔

"آمین"۔ سب نے ایک ساتھ کہا۔

اب وہ تنور کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تھے... ایسے میں ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی... وہ نیچے آ رہا تھا... دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر بہت نیچے آ گیا... اس سے رسی لٹکا دی گئی۔

"تم میں سے صرف ایک اس رسی پر چڑھ جائے"۔ وہاں موجود فوجی آفیسر نے حکم دیا... انسپکٹر جمشید فوراً آگے بڑھے۔

"نہیں اباجان... پہلے آپ نہیں... میں جاؤں گا"۔ محمود نے چیخ کر کہا۔

"نہیں... خاموش رہو"۔ وہ سرد لہجے میں بولا... پھر انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"ہم سب ایک ہی بار اس رسی پر کیوں نہ چڑھ جائیں"۔

"کوئی حرج نہیں... اگر ایک ساتھ مرنے کا شوق ہے... تو سب کے سب چڑھ جاؤ اور ایک ساتھ چھلانگیں لگا دو... اس لیے کہ ہمیں ایسی کوئی ہدایت نہیں کہ ایک ایک کو پھینکا جائے گا"۔

"شکریہ جناب! آپ نے ہمارے لیے آسانی پیدا کر دی"۔

اور پھر وہ سب رسی کی سیڑھی پر چڑھ گئے... اب ان کی ایک قطار سی فضا میں لٹک رہی تھی... اس کے بعد ہیلی کاپٹر اوپر اٹھنے لگا... اوپر اٹھ کر اس کو عین تنور کے اوپر آنا تھا... وہ اوپر اٹھتا چلا گیا... یہاں تک کہ کافی اوپر اٹھ گیا۔

"اتنا اوپر کیوں اٹھ رہے ہو... اس کی ضرورت نہیں... اب

نور کی سیدھ میں نیچے آؤ"۔ فوجی آفیسر نے سپیکر پر حکم دیا۔
اس وقت ان کی حیرت کی حد نہ رہی.... جب اس حکم پر عمل نہ کیا گیا.... بلکہ لکی قطار چھوٹی ہونے لگی۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتے نظر آئے۔

"یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے؟" فوجی گرجے۔

ساتھ ہی انہوں نے ہیلی کاپٹر کی طرف رخ کر کے فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن اس وقت تک وہ بہت اوپر اٹھ چکا تھا.... گولیاں بے کار گئیں.... وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے.... اچانک لوگوں نے بے تحاشا تالیاں بجانا شروع کر دیں.... اب وہ اتنی اونچائی سے انہیں کیسے بتاتے کہ تالیاں نہ بجائیں.... خدا کا شکر ادا کریں.... جس نے انہیں آگ سے بچا لیا.... اور دوسرے یہ کہ اس طرح تالیاں بجانے پر حکام ان پر آنسو گیس کی بارش کر سکتے تھے.... کیونکہ یہ حکمرانوں کی شکست تھی.... ادھر ہیلی کاپٹر اونچا ہوتا جا رہا تھا۔

"بھئی صرف اونچے نہ ہوتے جاؤ.... لڑاکا طیارے بھی بس آتے ہی ہوں گے.... اپنے خاص ساحل کی طرف چلو"۔ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"اوکے سر"۔

اب وہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ چکے تھے۔

"ایک بات واضح ہو گئی.... ایسے میں محمود کی آواز ابھری۔

"یہ کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔ آصف بول اٹھا۔

"یہ بات تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے.... اور ہمیں کیا.... ساری دنیا کو معلوم ہے.... کوئی زبان سے اقرار کرنے نہ کرے"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"تب پھر تمہارا اشارہ کس بات کی طرف ہے"۔

"یہ کہ نوبا کو ہر بات کا پہلے سے ہرگز علم نہیں ہو جاتا.... ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی طرح سے چند خاص باتیں وہ ضرور معلوم کر لیتا ہے.... بلکہ ان کی فلم تک تیار کر لیتا ہے.... اور وہ صرف ایسے کام ہیں.... جو شیطانی ہیں.... مثلاً" میچ میں جوا ایک شیطانی کام ہے.... حرام کام ہے.... چنانچہ اسے کسی شیطان کے ذریعے پورا میچ دیکھنے کو مل جاتا ہے"۔

"ہوں.... اب یہی کہا جا سکتا ہے.... کہ جتنے شیطانی کام ہیں.... ان میں سے کچھ کی خبریں اسے شیطانوں کے ذریعے ہو جاتی ہیں.... اور نوبا کا باپ.... شیبان کوئی سائنس دان نہیں تھا.... بلکہ وہ شیطانی علوم حاصل کرنے کے چکر میں رہتا تھا.... اور اس نے شاید کل کی باتیں جاننے بلکہ ان کی فلم تک تیار کر لینے کے لیے کچھ اور قسم کے تجربات کیے ہوں اور ان میں اسے کامیاب ہو گئی ہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک.... یہی کہا جا سکتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔

عین اس وقت انہوں نے لڑاکا طیاروں کی گھن گرج سنی۔

"وہ آگئے.... ہیلی کاپٹروں کو فوری طور پر نیچے لے چلو.... ہم شاید سمندر تک پہنچنے ہی والے ہیں"۔

"یس سر"۔

"لیکن جمشید.... لڑاکا طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی رفتار میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے"۔ خان رحمان بولے۔

"ہاں خان رحمان.... اسی لیے سمندر کا رخ کر رہے ہیں.... ہم اپنی آب دوز میں بیٹھ کر سمندر میں اتر رہے ہیں"۔

"تب ہمیں ایک بار پھر آب دوزوں اور تارپیڈو کا سامنا کرنا ہو گا"۔

"پہلے ہمیں لڑاکا طیاروں سے خود کو بچانا ہے"۔

عین اس لمحے ان کے سروں پر سے چند طیارے گزر گئے اور ان گنت گولیاں ہیلی کاپٹر کے دائیں بائیں سے گزر گئیں۔

"ارے باپ رے.... اس قدر جلد ان کی فائرنگ کی امید نہ تھی"۔

"اب وہ پھر آ رہے ہیں"۔ پائلٹ چلا اٹھا.... آواز میں بلا کا خوف تھا۔

"غوطہ لگا جاؤ"۔ خان رحمان چلائے.... اور اٹھ کھڑے ہوئے.... شاید اب وہ ہیلی کاپٹر خود اڑانا چاہتے تھے۔

ہیلی کاپٹر انتہائی تیزی سے نیچے کی طرف چلا.... اور شاید یہی چیز انہیں بچا گئی.... طیارے ایک بار پھر ان کے سروں سے گزرے تھے.... اور گولیاں برساتے ہوئے گزر گئے تھے۔

"لاؤ.... ہٹ جاؤ.... اب میں اڑاؤں گا اسے"۔ خان رحمان بولے۔

"بہت اچھا سر"۔

انہوں نے سیٹ سنبھال لی اور اور نیچے ہوتے چلے گئے.... یہاں تک کہ انہیں لانچ نظر آنے لگی.... وہ پہلے ہی تیار تھے.... کیونکہ خفیہ فورس والوں نے انہیں پھر تیار کر رکھا تھا۔

اور پھر انہوں نے ساحل پر چھلانگ لگا دی.... طیارے ایک بار پھر گزر گئے.... اور گولیوں کی بارش کر گئے.... لیکن وہ بال بال بچے.... اور آن کی آن میں لانچ میں داخل ہو گئے.... اس کا انجن پہلے ہی حرکت میں تھا.... فوراً ہی وہ سمندر کے سینے پر آگے بڑھ گئے.... ادھر طیارے پھر آئے.... لیکن اس سے پہلے کہ وہ گولیاں برساتے.... وہ پانی میں اترنے لگے.... ادھر گولیاں برسیں، ادھر وہ مکمل پانی میں چلے گئے۔

"بہت تیزی سے اسے نیچے لے جائیں خان رحمان.... ہمیں ۴۵ کے زاویے سے جانا ہے"۔

"اچھا! میں سمجھ گیا"۔ وہ مسکرا دیے۔

لانچ ایک سمت سے بڑھنے لگی۔۔۔ ایسے میں دس کے قریب لانچیں سامنے سے آتی نظر آئیں۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ یہ بھی وقت پر پہنچ گئیں"۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ خدا کا شکر ہے؟" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل"۔

"آپ دیکھ نہیں رہے۔۔۔ دس آب دوزیں ہماری طرف بڑھ رہی ہیں"۔

"اسی لیے تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں۔۔۔ یہ ہماری خفیہ فورس کی ہیں اور اب ہماری طرف بڑھنے والی آب دوزوں سے مقابلہ یہ کریں گی۔۔۔ ہم صرف آگے بڑھیں گے"۔

"کیا۔۔۔ وہ مارا۔۔۔ تب تو ہم نکل گئے"۔

"ان شاء اللہ"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر سمندر میں ایک بار پھر تارپیڈو کی لڑائی چھڑ گئی۔

اس لڑائی میں اس قدر شدت آئی کہ مچھلیاں تک خوف زدہ ہو گئیں۔۔۔ اور تہ میں اترنے لگیں۔

ادھر ان کی آب دوز کا راستا اب صاف تھا۔۔۔ مقابلہ ان کے دس ساتھی کر رہے تھے۔۔۔ اور ان تک کسی دشمن آب دوز کو نہیں آنے دے رہے تھے۔۔۔ اس طرح وہ جلد ہی دوست ریاست کی

سمندری حدود تک پہنچ گئے۔۔۔ وہاں بھی پہلے ہی اطلاع تھی اور ریاست کا حکمران ایاز خان۔۔۔ ان کے استقبال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔۔۔ بہت سی آب دوزوں کے ساتھ۔۔۔ تاکہ آنے والی دشمن آب دوزوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔۔۔ انہوں نے ایاز خان کو بتا دیا کہ ان کے پیچھے جو دس آبدوزیں ہیں۔۔۔ وہ ان کے ساتھی ہیں۔۔۔ ان کے بعد جو آئیں گے۔۔۔ وہ دشمن ہوں گے۔۔۔ اس نے سر ہلا دیا۔

پھر دس آب دوزیں بھی وہاں پہنچ گئیں۔۔۔ انہیں بھی آگے گزر جانے دیا گیا۔۔۔ اور پھر ریاست کی آب دوزیں آنے والی آبدوزوں کے مقابلہ میں آ گئیں۔۔۔ سمندر میں ایک ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔۔۔ اور آخرکار دشمن کی آبدوزیں بھاگ نکلیں۔

ریاست کے حکمران نے جب انہیں یہ خوش خبری سنائی تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔۔۔ اور وہ سب سجدے میں گر گئے۔۔۔ اب دو باتیں صاف ہو گئی تھیں۔۔۔ اور ایسا اس کیس میں پہلی بار ہوا تھا۔۔۔ ایک یہ کہ ہر بات کا علم وہ نہیں رکھتا۔۔۔ اور دوسرے یہ کہ اسے بھی شکست ہو سکتی ہے۔۔۔ گویا ناقابل شکست نہیں ہے۔۔۔ اور شاید یہی اس کے وہ کمزور پہلو تھے۔۔۔ جن کی بنا پر وہ ان سے خوف کھا رہا تھا۔

"میں نے پہلی بار محسوس کیا ہے کہ ہم ان شاء اللہ اس سے ٹکرا سکیں گے۔۔۔ ورنہ پہلے تو میرے احساسات یہی تھے کہ ہم اس سے مقابلہ کس طرح کر سکیں گے"۔

"تو کیا انکل! اب ہم خطرے باہر ہیں؟"

"یہ تو خیر نہیں کہا جا سکتا... ان کا اگلا قدم کیا ہو گا... یہ ابھی اندازہ نہیں... اس وقت تک تو صرف یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہر بات کا پہلے علم نہیں ہو جاتا... اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ ہم جل کر مر جائیں گے"۔

ایسے میں ایاز خان دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا... اس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔

○☆○

خطرے کی زد

وہ گھبرا گئے... اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے... جناب... خیر تو ہے"۔ خان رحمان بولے۔

"جناب کے ملک کی فوج نے میری ریاست پر چڑھائی کر دی ہے... ریاست اب چاروں طرف سے ان کے گھیرے میں ہے' کسی وقت بھی جنگ چھڑ سکتی ہے"۔

"اوہ... نہیں"۔ وہ دھک سے رہ گئے۔

"اس کی امید نہیں تھی"۔

"نہیں تھی نا امید... ہم بھی یہی کہتے ہیں... ہمارے ملک کے صدر بھی آپ پر حملے کا حکم نہیں دے سکتے تھے' لیکن اس وقت وہ اس نوجوان نوبا کے قبضے میں ہیں... جو وہ چاہتا ہے... ان سے کرا لیتا ہے... لہٰذا آپ فکر نہ کریں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کہا... میں فکر نہ کروں... میری ریاست پر آپ کے اتنے بڑے ملک نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا ہے اور میں فکر نہ کروں"۔

"حملہ کیا نہیں... کرنے والا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اوہ ہاں! میں غلط کہہ گیا"۔ ایاز خان شرما گیا۔

"بس تو پھر اپنے کمانڈر انچیف کے ذریعے یہ پوچھیں.... وہ کیا چاہتے ہیں؟؟"

"یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں.... وہ بار بار اس بات کا اعلان کر رہے ہیں"۔

"اور وہ اعلان یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آپ کے حوالے کر دیں"۔

"ہاں! لیکن یہ نہیں ہو سکتا"۔ ایاز خان نے کہا۔

"کیا نہیں ہو سکتا؟"

"ہم لوگ اپنے مہمان کو دشمن کے حوالے نہیں کرتے... جانیں دے دیتے ہیں.... ابھی آپ دیکھ لیں گے"۔

"اور ہم کیا دیکھ لیں گے؟؟"

"فوج، پولیس اور عوام.... سب کو میں نے.... یعنی ان سب کے بڑوں کو میں نے طلب کیا ہے.... بڑے ہال میں سب جمع ہو رہے ہیں.... آوازیں آپ تک آئیں گی"۔

"اچھی بات ہے.... لیکن اس اجلاس میں آپ ہمیں کیوں شریک نہیں کرتے"۔

"آپ کے بارے میں فیصلہ ہونا ہے.... آپ کو شامل نہیں کیا جا

سکتا"۔

"ہماری آبدوز کہاں ہے؟؟"

"ساحل پر موجود ہے... اس کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا"۔

"وہ اس وقت آپ کے فوجیوں کے نزدیک ہے؟؟"

"ہاں... بالکل... سمندر میں آپکے ملک کے جہاز.... کچھ دور کھڑے ہیں"۔

"کیا ہمیں اپنی آب دوز تک جانے کی اجازت ہے؟؟"

"کیا مطلب.... آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟؟"

"ہماری آب دوز میں کچھ بہت اہم چیزیں موجود ہیں.... ان کے بغیر ہم کسی کام کے نہیں رہ جائیں گے"۔

"او کے.... آپ وہ نکال لائیں.... ہم اس وقت تک اپنی آپس کی بات کر لیں گے.... اور بات چیت کی ریکارڈنگ آپ کو سنا دیں گے"۔

"اگر آپ ہماری وجہ سے پریشان ہو گئے ہیں تو ہم یہاں سے نکل جانے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

"نہیں.... جب تک میں قوم سے فیصلہ نہ لے لوں.... کچھ نہیں کر سکتا"۔

"بہت بہتر.... ہم ذرا آب دوز تک جا رہے ہیں"۔

"آپ کو کوئی نہیں روکے گا... روکنے کی کوشش کرے تو اس

ے کہ وہیں کہ وہ مجھ سے بات کر لے"۔ ایاز خان نے کہا۔

"بہت بہتر"۔

"آؤ بھئی چلیں"۔

"میری بڑی گاڑی میں جائیں.... میرا ڈرائیور ساتھ لے جائیں.... اس طرح کوئی راستے میں بھی نہیں روکے گا"۔

"یہ اچھا ہے"۔ وہ مسکرائے۔

اس طرح وہ اپنی آب دوز تک پہنچے۔ اس کے اندر داخل ہو کر انہوں نے دروازے بند کر لیے.... اب ان کی آواز باہر سے نہیں سنی جا سکتی تھی۔

"ہم چند افراد اس پوری ریاست کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتے۔ اب ہم اپنی لڑائی خود لڑیں گے.... اور میں نے سوچ لیا ہے"۔

"کیا سوچ لیا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

وہ دبی آواز میں انہیں اپنا پروگرام بتانے لگے۔

"یہ ٹھیک رہے گا.... اس طرح پوری ریاست محفوظ رہے گی"۔

"خان رحمان.... شروع ہو جاؤ"۔

خان رحمان نے آب دوز کا انجن سٹارٹ کیا۔ انجن سٹارٹ ہونے کی آواز نے فوجیوں کو چونکا دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتے۔ آب دوز تیر کی طرح اپنے ملک کے ایک جہاز کی سمت میں روانہ ہو گئی.... ایاز خان کے فوجی ظاہر ہے.... چلا اٹھے ہوں گے۔

لیکن وہ ان کی آوازیں نہیں سن سکتے۔ اس لیے کہ انہوں نے آب دوز کے تمام دروازے مکمل طور پر بند کر رکھے تھے۔ ادھر ان کے ملک کے جنگی جہاز نے جب ایک لانچ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو توپوں کے رخ اس کی طرف کر دیے.... اور سپیکر پر اعلان کیا۔

"یہ آب دوز کس سلسلے میں ہماری طرف آ رہی ہے"۔

"اس میں انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی موجود ہیں.... ہمیں ان کا پروگرام معلوم نہیں.... شاید وہ خود ہی آپ سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں"۔

"یہ اچھا ہے"۔ ادھر سے کہا گیا۔ تاہم توپوں کے رخ بدستور ان کی طرف رہے۔

خان رحمان نے مناسب فاصلے پر آب دوز روک دی.... اب انہوں نے صرف ایک دروازہ کھولا۔ اور انسپکٹر جمشید باہر نکلے۔

"کیا آپ مجھے پہچان سکتے ہیں"۔ وہ سپیکر میں بولے۔

"ہاں! کیوں نہیں۔ آپ کو نہ پہچانیں گے"۔

"او کے.... آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ کی گرفتاری اور بس.... اس ریاست سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے"۔

"اسی لیے ہم سب اس طرف آ گئے ہیں.... آب دوز میں ہم سب موجود ہیں نا۔ لیکن ہم آپ کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر نہیں

جائیں گے۔۔۔ اپنی آب دوز میں جائیں گے"۔

"کیا آپ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟"

"دیکھئے۔۔۔ آپ کے پاس یہی ایک راستا بچا ہے۔۔۔ ریاست سے ہم نکل آئے ہیں۔۔۔ اور آپ کے گھیرے میں یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہیں۔۔۔ لیکن اگر آپ یہ ضد کریں گے کہ آپ ہمیں پہلے گرفتار کر کے جہاز پر سوار کریں اور پھر یہاں سے رخصت ہوں۔۔۔ تو ہم یہ بات منظور نہیں کریں گے"۔

"ہمیں صدر صاحب سے بات کرنے کی مہلت دی جائے"۔

"آپ ضرور ایسا کریں"۔

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید آب دوز کے اندر آ گئے۔۔۔ اور دروازہ بند کر دیا۔۔۔ اب وہ شیشے میں سے جہاز کا جائزہ لے رہے تھے۔۔۔ ایسے میں خان رحمان حرکت میں آئے اور یک دم آب دوز پانی میں اترنے لگی۔۔۔ جہاز پر تنی توپیں جلدی جلدی اپنا رخ بدلنے لگیں۔۔۔ تاکہ آب دوز کو نشانہ بنا سکیں۔۔۔ لیکن خان رحمان پہلے ہی حساب لگا چکے تھے۔۔۔ جس فاصلے پر وہ کھڑے تھے۔۔۔ اس کے مطابق توپوں کو ان کی سیدھ میں آنے میں جتنا وقت لگتا تھا۔۔۔ اس سے چند سیکنڈ پہلے پوری آب دوز پانی میں چلی جاتی۔۔۔ اور ان کا حساب درست ثابت ہوا۔۔۔ ادھر وہ پانی میں اترے' ادھر ان پر گولے برسائے گئے۔۔۔ لیکن وہ پانی میں تھے۔۔۔ اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔۔۔ اب وہ لانچ تیر کی طرف

ایک سمت میں روانہ ہوئی۔

جب تک جنگی جہازوں سے ان کے تعاقب میں آب دوزیں اتاری گئیں۔۔۔ وہ بہت دور نکل آئے تھے۔۔۔ اور اب ان کی اب دوزوں کو پہلے ان کو تلاش کرنا تھا۔۔۔ حملے کی نوبت بعد میں آ سکتی تھی۔

ادھر وہ اڑے چلے جا رہے تھے۔

"بہت خوب! یہ تجویز خوب رہی"۔ پروفیسر داؤد خوش ہو گئے۔

"ہاں! اس طرح ریاست کے لوگ مصیبت میں پڑنے سے بچ گئے۔۔۔ ورنہ وہ ہماری وجہ سے سب کے سب مارے جاتے۔۔۔ اور ان کے ساتھ ہمیں بھی اپنے ملک کی فوج سے لڑنا پڑتا۔۔۔ جو مجھے کسی طرح بھی منظور نہیں تھا۔۔۔ ہم اپنے ملک کی فوج اور پولیس سے کسی قیمت پر لڑنا پسند نہیں کرتے۔۔۔ ہاں ان دونوں اداروں میں سے اگر کوئی شخص غدار ثابت ہو۔۔۔ تو اس سے ضرور لڑتے ہیں"۔

"غدار کے لیے تو خود فوج کے قانون میں کوئی گنجائش نہیں"۔

"اور پولیس میں بھی"۔

"بالکل"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"اوہ جمشید اوہ"۔ انہوں نے خان رحمان کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

"کیا ہوا۔۔۔ میرا خیال تھا۔۔۔ اب ہمارے راستے میں کوئی نہیں آئے گا"۔

"لیکن جمشید... یہ خیال بالکل غلط ثابت ہو گیا"۔ وہ بولے۔

"کیا مطلب... کیسے؟"

"تین آب دوزیں ہماری طرف بلا کی رفتار سے آ رہی ہیں... اور وہ ہماری آب دوز سے بہت بڑی ہیں... اسی لیے ان کی رفتار بھی بہت زیادہ ہے... دوسرے یہ جنگی ساز و سامان سے پوری طرح لیس ہیں... ہماری آب دوز تو ان میں سے ایک کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی"۔

"اور ہم اس سے کتنی دور ہیں"۔

"ابھی آدھ گھنٹے کا راستا باقی ہے"۔

"خان رحمان... کیا تم بیس منٹ اور نہیں گزار سکتے... میرا مطلب ہے... کوشش کرو... کہ بیس منٹ اور یہ حملہ نہ کر پائیں"۔

"یہ کام آسان نہیں جمشید... اگر ہماری آب دوز بھی اتنی طاقت ور ہوتی تو پھر یہ کام مشکل نہیں تھا"۔

"اوہو بھئی... اپنی فوجی مہارت کو آزماؤ نا"۔

"او کے... میں اپنی پوری کوشش کروں گا... آپ لوگ اپنی تیاری مکمل کر رکھیں"۔ خان رحمان بولے۔

"ہم مکمل طور پر تیار ہیں... اگر تم ناکام ہو جاؤ... یعنی بیس منٹ تک ان کو خود سے دور نہ رکھ سکو تو خطرے کی زد میں آنے سے پہلے ہی ہمیں بتا دینا"۔

"وہ میں سمجھتا ہوں"۔

خان رحمان نے اب آب دوز کو ایک عجیب انداز میں چلانا شروع کیا... کبھی وہ سمندر کی تہ میں اترتے تو کبھی اوپر اٹھ کر سطح کے قریب آ جاتے... اور کبھی درمیان میں چلتے... اور وہ چل بھی رہے تھے... لہریں لیتے ہوئے... اس طرح دس منٹ گزر گئے... پھر خان رحمان کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

○☆○
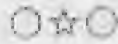
عجیب بات

"بس جمشید... میں جو کر سکتا تھا کر چکا۔ اب ان لوگوں نے بھی اپنی آب دوزوں کو اسی طرح چلانا شروع کر دیا ہے... اور اس طرح یہ نشانہ لینے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں... اب یہ کسی وقت بھی ہمیں نشانہ بنا سکتے ہیں"۔

"اوہ اچھا... اس کا مطلب ہے۔ دس منٹ کی کسر رہ گئی۔ گویا دس منٹ کا لانچ کا فاصلہ باقی رہ گیا۔ اور یہ دس منٹ کا لانچ کا فاصلہ ہمیں کافی مہنگا پڑے گا... خیر اللہ مالک ہے"۔

اس کے صرف ایک منٹ بعد ان کی آب دوز پر تین طرف سے تارپیڈو مارے گئے... اور اس کے ٹکڑے سمندر میں بکھر گئے۔ اور سطح پر آنے لگے۔

حملہ آور آب دوزیں واپس جانے لگیں۔ ساحل پر پہنچ کر انہوں نے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دی۔

"ان کی آب دوز کو ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے سر"۔

"کیا... نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

"کیوں... کیا ہوا؟؟"

"میرا خیال تھا... وہ خود کو ہمارے حوالے کر دیں گے اور ہم انہیں صدر صاحب کے حوالے کر دیں گے... پھر وہ جانیں۔ صدر جانیں۔ میری یہ خواہش ہرگز نہیں تھی کہ انہیں نشانہ بنایا جاتا"۔

"لیکن سر! ہم کیا کر سکتے تھے... وہ کسی طرح رکنے پر آمادہ نہیں تھے"۔

"اچھا خیر... جو ہونا تھا' ہوا"۔ اس کی آواز سے غم جھانک رہا تھا۔

"کیا آپ دکھ محسوس کر رہے ہیں؟"

"ہمارے ملک میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے۔ جو ان کی موت پر دکھ محسوس نہیں کریں گے"۔ اس نے کہا۔

"یہی بات ہے سر"۔ ماتحت نے بھی دکھی لہجے میں کہا۔

"تت... تو کیا... تم بھی"۔

"ہاں سر! ہم سب دکھ محسوس کر رہے ہیں"۔

"تب پھر... آپ نے ہمیں ہدایات کیوں نہیں دیں... کہ انہیں ختم نہ کیا جائے۔ صرف گرفتار کیا جائے"۔

"صدر صاحب نے مجھے یہی حکم دیا تھا کہ اول تو انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے... اور اگر یہ ممکن نہ ہو... تو پھر ختم کر دیا جائے"۔

"افسوس! یہ اچھا نہیں ہوا... قوم کے ان ہیروز کو ہمارے ہاتھوں مرنا پڑ گیا"۔

"ان کی قسمت میں یہی تھا... ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ کمانڈر رو پڑا۔

اور پھر ان سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... وہ وہاں سے واپس روانہ ہوئے... ایاز خان کے فوجی یہ مناظر دیکھ رہے تھے... وہ چلا پڑے۔

"کیا ہوا... آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں! وہ مارے گئے... میرے فوجیوں کے ہاتھوں ان کی آب دوز کے ٹکڑے اڑ گئے"۔

"نن نہیں"۔ وہ چلائے۔

"حقیقت یہی ہے... اور ہم خود ان کے لیے غمگین ہیں... ہمارے دل رو رہے ہیں"۔

"اف مالک"۔ ایاز خان کے کمانڈر نے کہا۔

پھر وہ ایاز خان کے سامنے پیش ہوا اور یہ خبر سنائی۔

"نن نہیں"۔ ایاز خان چلا اٹھا۔

کئی منٹ تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا... پھر اس کی آواز سنائی دی۔

"انھوں نے ہم سب کو بچانے کے لیے اپنی جانیں قربان کر

دیں... وہ بہت عظیم تھے... بہت زیادہ عظیم"۔

"ایاز خان کی سسکیاں بلند ہوتی چلی گئیں... اس کا کمانڈر بھی رو پڑا۔

○

صدر صاحب کے فون کی گھنٹی بجی... ان کے سیکرٹری نے انھیں بتایا... کہ انشارجہ کے صدر کا فون ہے۔

"جی! کیا بات ہے جناب؟" صدر کا لہجہ اکھڑا تھا۔

"آپ کے لہجے کو کیا ہو گیا ہے؟"

"میرے لہجے کو توبا ہو گیا ہے... آپ بات کریں... فون کس لیے کیا ہے"۔

"آواز میں بہت اکڑ آ گئی ہے"۔ انشارجہ کے صدر نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! آ گئی ہے... آپ بات کریں... اگر سیدھی طرح بات نہیں کرنا چاہتے تو فون بند کر رہا ہوں"۔

"نن نہیں... میں بات بتاتا ہوں"۔ انشارجہ کا صدر گھبرا گیا۔

"ہاہاہا... کیا وقت آ گیا ہے... انشارجہ کا صدر مجھ سے گھبرا کر بات کر رہا ہے"۔

"میں نے سنا ہے... آپ لوگوں نے انسپکٹر جمشید اور ان کے تمام ساتھیوں کو... یعنی تینوں پارٹیوں کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے...

ان کی آب دوز کو سمندر کی تہ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے"۔

"یہ خبر اب پرانی ہو چکی۔۔۔ میرا پورا ملک اس خبر پر آنسو بہا چکا۔۔۔ بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی بہت سے لوگ رو چکے ہیں۔۔۔ اب تو سب کے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔۔۔ اور آپ اب اس کا ذکر کر رہے ہیں۔۔۔ میں نے کہا ہے۔۔۔ بات کریں۔۔۔ فون کس لیے کیا ہے؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں۔۔۔ میرا بدترین دشمن گلاٹان۔۔۔ کس جگہ چھپا ہوا ہے۔۔۔ اگر آپ مسٹر نوبا سے پوچھ کر بتا دیں۔۔۔ تو میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں"۔

"او کے۔۔۔ میں نوبا سے بات کرتا ہوں۔۔۔ آپ ایک گھنٹے بعد فون کر لیں"۔

"او کے"۔ اس نے کہا۔

ایک گھنٹے بعد پھر اس کا فون آیا۔۔۔ صدر نے آواز سن کر کہا۔

"ایک کروڑ ڈالر"۔

"منظور ہے"۔

"بھیج دیں۔۔۔ پتا بتا دیا جائے گا"۔

"اور اگر وہ اس جگہ نہ ملا"۔

"دو کروڑ واپس کیے جائیں گے۔۔۔ لیکن اس جگہ ہمارا آدمی آپ کے آدمیوں کے ساتھ جائے گا۔۔۔ تاکہ آپ جھوٹ نہ بول دیں کہ وہاں نہیں ملا"۔

"میں ایک کروڑ کے لیے جھوٹ نہیں بولوں گا"۔ انشارجہ کے صدر نے جھلا کر کہا۔

"ایک کروڑ کے لیے نہیں۔۔۔ دو کروڑ کے لیے۔۔۔ ہم دو کروڑ دیں گے نا"۔

"میں دس کروڑ کے لیے بھی جھوٹ نہیں بولوں گا"۔

"ہمیں اعتبار نہیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ آپ اپنا آدمی بھیج دیں"۔

"جب رقم ملے گی۔۔۔ بھیج دیں گے اور ہاں جلدی کریں۔۔۔ اگر اس نے جگہ بدل دی تو پھر مجھے دوبارہ دیکھنا پڑے گا۔۔۔ وہ کہاں ہے اور پھر آپ کو مزید ایک کروڑ ادا کرنا ہوں گے"۔

"حد ہو گئی"۔

"ہاں! وہ تو خیر ہو گئی"۔ صدر نے ہنس کر کہا۔

دوسرے دن انھیں ایک کروڑ کا چیک مل گیا۔۔۔ انھوں نے اس جگہ کا نام فون پر بتا دیا اور انشارجہ میں اپنے سفیر کو ہدایات دے دیں کہ وہ اس چھاپہ مار ٹیم کے ساتھ جائے گا اور مہم ختم ہونے پر اطلاع دے گا۔

اسی شام سفیر نے انھیں فون کیا۔۔۔ کہ انشارجہ کے صدر کا دشمن نمبر ایک گلاٹان گرفتار کر لیا گیا ہے۔۔۔ وہ ٹھیک اسی جگہ سے ملا۔۔۔ جس جگہ کی رپورٹ دی گئی تھی۔

"بہت خوب! اب یہ واقعہ انشارجہ اور ہمارے ملک کے اخبارات میں خوب زور شور سے آنا چاہیے"۔

"او کے سر"۔

اس سے اگلے روز کے اخبارات نے اس واقعے کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا... اس طرح یہ بات پوری دنیا میں مشہور ہو گئی... کہ انشارجہ کے صدر نے اپنے دشمن گلاتان کو نوبا کے ذریعے پکڑا ہے۔

دوسرے دن انہیں پھر ایک فون ملا... یہ فون فرانچ کے صدر کا تھا۔

"آپ کا کیا کام ہے؟"

"مسٹر نوبا سے پوچھ دیں... ہمارے ملک میں کل ہونے والے انتخابات میں کون جیتے گا؟"

"پانچ کروڑ"۔

"منظور ہے"۔

"تین گھنٹے بعد بتا سکوں گا... رقم کا ڈرافٹ بھیج دیں"۔

"میرے ملک کے بنک کا ڈائریکٹر ڈرافٹ لائے گا"۔

"او کے"۔

پھر یہ واقعہ بھی اخبارات میں آیا... اس طرح ملک کے صدر روز بروز کروڑوں ڈالر کمانے لگے... ان کے ملک میں دولت برسنے

لگی... حکومت روز بروز خوش حال ہونے لگی... لیکن اس کی خوش حالی سے عوام کو کوئی فائدہ نہ ہوا... صدر نے اور نوبا نے عوام کی طرف کوئی توجہ نہ دی... ان کی مشکلات کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔

وہ اپنی دنیا میں مگن تھے... اور عوام اپنی مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے... ادھر روز بروز کمائی ہو رہی تھی... عوام روز بروز اور زیادہ مشکل میں پھنس رہے تھے... جب حکمران اپنے عوام کی طرف توجہ نہ دیں تو پھر یہی ہوا کرتا ہے"۔

اس طرح ملک کی حالت روز بروز خراب ہونے لگی... لوگ نوبا اور ملک کے صدر سے نفرت کرنے لگے... پولیس اور فوج بھی ان سے نفرت کرنے لگی... لیکن وہ کر بھی کچھ نہیں سکتے تھے... اگر کوئی صدر پر حملہ کرنا چاہتا تو نوبا انہیں پہلے سے خبردار کر دیتا تھا اور نوبا تو تھا ہی سب کی نظروں سے اوجھل... اس کا وہ کیا بگاڑ سکتے تھے۔

ایسے میں دارالحکومت میں ایک دن ایک بہت بوڑھا سفید بالوں والا آدمی داخل ہوا... اس کے چہرے سے نور ٹپک رہا تھا... راستا چلتے ایک آدمی سے اس نے کہا۔

"بیٹا... کیا تم مجھے پانی پلا سکتے ہو... ایک وقت کا کھانا کھلا سکتے ہو"۔

"یہاں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں بابا جی... اس شہر

میں کون آپ کو پانی پلائے گا' کون آپ کو کھانا کھلائے گا"۔

اس نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا.... اچانک اس نے ایک عجیب بات محسوس کی۔

○☆○

وارے نیارے

اس شخص نے محسوس کیا کہ کوئی انجانی طاقت اس سے کہ رہی ہے۔

"بے وقوف نہ بن اور اللہ کے اس نیک بندے کو اپنے گھر لے چل' اسے پانی پلا' اسے کھانا کھلا"۔

وہ تیزی سے مڑا اور دھک سے رہ گیا.... کیونکہ وہ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔

"ارے وہ.... کہاں چلا گیا.... ابھی ابھی تو یہیں تھا"۔ اس نے مارے خوف کے کہا۔

پھر اس نے چاروں طرف دیکھا.... اور بلند آواز میں بولا۔

"باباجی.... آپ کہاں ہیں؟"

اسے کوئی جواب نہ ملا.... وہ حیرت زدہ سا گھر آ گیا.... اس نے گھر والوں کو یہ بات بتائی تو وہ سر پیٹ کر رہ گئے۔

"آپ سے بہت بھاری غلطی ہوئی.... ایک اللہ والا ملا تو آپ نے اسے بھی گنوا دیا.... وہ تو کر دیتا ہمارے وارے نیارے"۔ اس کی

بیوی بولی۔

"بس کیا بتاؤں"۔

"کچھ نہ بتائیں اور وہیں جا کر اسے تلاش کریں"۔

"اچھا"۔ اس نے کہا اور گھر سے نکل آیا.... راستے میں اسے جو ملتا گیا.... وہ یہ واقعہ اسے بتاتا گیا.... اس طرح کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے.... اس نے بھی سوچا' چلو اچھا ہے.... تلاش کرنے میں آسانی ہو گی.... بڑے میاں یہاں اسے جس جگہ ملے تھے.... وہاں پہنچ کر انھوں نے اس کی تلاش شروع کی' کوئی ادھر گیا' کوئی ادھر گیا.... آخر اس کی نظر ایک گھنے درخت پر پڑی.... وہ بوڑھا اس درخت سے ٹیک لگائے.... آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا.... وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"باباجی.... مم.... مجھے معاف کر دیں"۔

باباجی نے آنکھیں کھول دیں.... آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"تم نے کیا قصور کیا ہے بیٹا کہ میں تمھیں معاف کر دوں"۔

"آپ بھول گئے بابا"۔

"اور میں کیا بھول گیا بیٹا.... یاد کرا دو نا"۔

"تھوڑی دیر پہلے آپ مجھے یہاں ملے تھے.... آپ نے پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی بات کی تھی.... چلیے میں آپ کو کھانا بھی

کھلاؤں گا اور پانی بھی پلاؤں گا"۔

"اب تو ہم کھا چکے اور پی چکے"۔ بوڑھے نے کہا۔

"کیا کہا.... کھا چکے.... پی چکے"۔

"ہاں بالکل"۔ اس نے کہا۔

"لیکن آپ نے کہاں سے کھایا.... یہاں تو دور دور تک نہ کھانے کی چیز ہے نہ پینے کی"۔

"اللہ تعالیٰ سب کو کھلاتا پلاتا ہے.... تو کیا وہ مجھے نہیں کھلائے گا"۔

"تب پھر آپ نے مجھ سے کھانا کیوں مانگا تھا؟" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"یہ کہ تمھیں کوئی فائدہ ہو جائے.... اگر تم کسی غریب کو کچھ کھلاؤ پلاؤ گے تو اس کا فائدہ تمھیں ہو گا.... ورنہ اسے تو کوئی نہ کوئی کھلا ہی دے گا.... اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی سبب بنا ہی دیتے ہیں"۔

"نہیں.... آپ میرے گھر چلیے.... آپ میرے پاس رہیے چل کر"۔

"نہیں.... میں یہیں ٹھیک ہوں.... یہ لو.... یہ بیچ کر کام چلاؤ اپنا"۔

یہ کہہ کر بوڑھا جھکا' زمین سے ایک کنکر اٹھایا اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ اس کنکر کو بیچ کر اپنا کام چلاؤں۔۔۔ اس کو کون خریدے گا"۔

"کوئی جوہری۔۔۔ ایمان دار جوہری ہی اس کے صحیح دام دے سکے گا۔۔۔ کسی دھوکے باز کے پاس نہ چلے جانا۔۔۔ وہ ٹھگ لے گا"۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا۔۔۔ بھلا کنکر پتھر بھی کوئی خریدتا ہے"۔

"ہاں! اس کو ضرور خریدے گا۔۔۔ جاؤ"۔

اتنے میں اور لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے۔۔۔ انہیں جب ساری بات معلوم ہوئی تو کسی نے اس کا کندھا دبا دیا اور دبی آواز میں بولا۔

"بے وقوف نہ بنو۔۔۔ اس کنکر کو معمولی نہ سمجھو۔۔۔ اس کو بازار لے چلو"۔

"عجیب بات کرتے ہو"۔

"اوہو۔۔۔ تم نہیں جانتے۔۔۔ پاگل آدمی۔۔۔ اللہ والے جب کسی کو اس طرح کوئی کنکر پتھر دیتے ہیں تو وہ سونا بن جاتا ہے۔۔۔ ہیرا بن جاتا ہے"۔

"یہ۔۔۔ یہ کنکر سونا بن جائے گا"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! بن جائے گا۔۔۔ تم چل کر تو دیکھو"۔

اچھا آؤ پھر۔۔۔ چل کر دیکھتے ہیں"۔

اب وہ سب بازار پہنچے۔۔۔ کنکر اب تک اس کی مٹھی میں دبا ہوا

تھا۔۔۔ اس نے ایک جوہری کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔۔۔ اگرچہ وہ دل میں ڈر رہا تھا کہ اب خوب مذاق اڑے گا۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ آنے والے اسے اس کام پر مجبور کر رہے تھے۔

"میں یہ فروخت کرنا چاہتا ہوں"۔

"کیا؟" جوہری نے کہا۔

"یہ"۔ یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھول دی۔

اب وہ سب بری طرح چونکے۔۔۔ کیونکہ اس کی ہتھیلی پر کنکر نہیں۔۔۔ ایک موتی تھا۔۔۔ جوہری نے چونک کر اس موتی کو دیکھا۔

"یہ کہاں سے چرایا تم لوگوں نے"۔ جوہری نے فوراً موتی ہاتھ میں لے لیا اور ان کی نظر بچا کر ایک بٹن دبا دیا۔

"کیا کہا آپ نے چرایا۔۔۔ یہ ہم نے چرایا نہیں۔۔۔ ہم چور نہیں ہیں۔۔۔ سیدھے سادے لوگ ہیں۔۔۔ ملازم پیشہ۔۔۔ یہ میرے ساتھی اس بات کے گواہ ہیں کہ میں چور نہیں ہوں"۔

"چور چور کی گواہی نہیں دے گا تو کیا کرے گا۔۔۔ تم لوگوں کو یہ بتانا ہو گا کہ یہ تم نے کہاں سے چرایا"۔

"آخر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہم نے کہیں سے چرایا ہے"۔ اس کے ایک اور ساتھی بولا۔

"اس لیے کہ تم بھوکوں ننگوں کے پاس یہ موتی ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔ یہ کم از کم ایک لاکھ کا ہے"۔

"کیا؟" وہ بولے۔

"ہاں! کم از کم ایک لاکھ کا..... اور جب تک بات صاف نہیں کر دیتے..... میں نہ تو موتی تمہیں دوں گا..... نہ رقم"۔

"یہ کیا بات ہوئی.... موتی تو آخر ہمارا ہے.... آپ اس کو کیسے رکھ سکتے ہیں"۔

"تب پھر آپ بتائیں..... یہ کہاں سے لائے ہیں؟"

"یہ مجھے ایک بزرگ نے دیا ہے..... اس بات کے یہ گواہ ہیں"۔

"بزرگ"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں جناب یہی بات ہے..... اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں ہے"۔

"وہ بزرگ کہاں ہے؟"

"آپ کو اس سے کیا؟"

"اگر نہیں بتائیں گے تو آپ کو چور ہی خیال کریں گے ہم"۔

اس نے پریشان ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"بتا دو..... ہمارا کیا جاتا ہے"۔

اس نے تفصیل سنا دی..... جوہری کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

"اب بتائیں..... اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اگر یہ کہانی سچی ہے..... تب تم پر چوری کا الزام نہیں لگ سکتا..... لیکن تصدیق تو کرنا پڑے گی"۔

"اے نہیں..... ہم پولیس کو ساتھ لے کر چلیں گے"۔

"پ..... پولیس..... آپ پولیس کو کیوں درمیان میں لے آئے ہیں..... اس طرح وہ بھی حصے دار بنیں گے"۔

"اور اگر کہانی جھوٹی ہوئی تو تم جنگل میں فرار ہو جاؤ گے"۔

جوہری ہنسا۔

"اچھا اب جو آپ چاہتے ہیں وہ کریں"۔ اس نے منہ بنایا۔

پھر وہاں پولیس آ گئی..... پولیس آفیسر نے یہ ساری کہانی غور سے سنی..... پھر اس نے کہا۔

"ہمیں اس جگہ جانا ہو گا..... ورنہ تصدیق نہیں ہو سکتی"۔

"چلئے جناب..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

"پہلے تو تھا تمہیں اعتراض"۔ جوہری نے اسے گھورا۔

"پہلے تھا..... اب جب کہ یہ حضرات آ گئے ہیں..... کوئی اعتراض نہیں رہ گیا"۔

"بہت جلد سیدھے ہو گئے..... لیکن پولیس کو دیکھ کر سیدھے ہوئے..... میرے کہنے پر نہیں ہوئے"۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں..... ہم چور نہیں ہیں"۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے"۔

اور پھر وہ سب جنگل میں اس جگہ پہنچے... بوڑھا اسی طرح اسی درخت سے لگا بیٹھا تھا۔ آنکھیں بھی بند تھیں... جونہی وہ نزدیک پہنچے، اس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"میں جانتا تھا... یہ لوگ تمہیں یہاں پھر لائیں گے... تصدیق لیے بغیر وہ یہ موتی خرید بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن اب میں کہتا ہوں... ان کی کہانی بالکل درست ہے... یہ کنکر میں نے ہی انہیں دیا تھا"۔

"کیا واقعی بابا؟؟"

"ہاں بالکل"۔

"تب پھر ایک ایک کنکر ہمیں بھی دے دیں بابا"۔

"یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے... فقیر کی موج ہے... اس وقت میں موج میں نہیں ہوں... چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار ایسا ہوتا ہے... میرے اپنے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ کسی دوسرے سے لے کر دیتا ہوں"۔

"کسی دوسرے سے؟" وہ بولے۔

"ہاں! سب کسی دوسرے سے لے کر دیتے ہیں... اپنے پاس سے تو کوئی بھی کسی کو نہیں دے سکتا"۔

"آپ کی باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں... لیکن خیر... اگر ایسا چوبیس گھنٹے میں ایک بار ہوتا ہے... تو ہم یہاں رہیں گے... آپ کی خدمت کریں گے... آخر چوبیس گھنٹے گزر ہی جائیں گے"۔

"تمہاری مرضی"۔ بوڑھا بولا۔

اب وہ اس کے آس پاس بیٹھ گئے۔ کوئی اس کے پاؤں دبا رہا تھا... تو کوئی اس کی ٹانگیں۔

دوسرے دن اچانک اس نے ایک کنکر اٹھایا اور پولیس آفیسر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو... آپس میں لڑنا نہیں... آپس میں لڑنا بہت برا ہے... اس طرح کسی کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا... جوہری سے اس کے پیسے لے لینا... اور آپس میں تقسیم کر لینا... اگر تم نے خود ساری رقم ہضم کرنے کی نیت کی تو یہ کنکر موتی نہیں بن سکے گا... کنکر کا کنکر رہ جائے گا"۔

"اوہ نہیں بابا... ہم ایسا نہیں کریں گے... جوہری صاحب ہمیں اس کی جو قیمت دیں گے... ہم اس کو آپس میں تقسیم کر لیں گے"۔

"یہی تم لوگوں کے حق میں بہتر رہے گا"۔

"کیا ہم پھر بھی آ سکتے ہیں بابا؟" پولیس آفیسر نے کہا۔

"نہیں... بس... اتنا کافی ہے... اگر یہ بات شہر میں پھیل گئی تو لوگ ہمیں تنگ کریں گے"۔

"اچھا بابا"۔

اور وہ شہر میں آ گئے... جوہری نے جب دوسرے کنکر کو دیکھا تو

وہ پہلے کی نسبت بڑا موتی تھا' اس کے اس نے انھیں دو لاکھ دیے....
اور انھوں نے وہیں اس کے سامنے ہی آپس میں تقسیم کر لیے.... او
پہلے آدمی کو ایک لاکھ لے کر جانے کی اجازت دے دی گئی.... کیونکہ
اب اس کی کہانی میں انھیں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔
وہ گھر آیا.... ایک لاکھ روپے بیوی بچوں کے سامنے ڈھیر کر

دیے۔

"یہ.... یہ کیا؟" وہ دھک سے رہ گئے۔
اب پھر اسے کہانی سنانا پڑی.... عورت نے سن کر ماتھا پیٹ لیا
اور رونے لگی۔

"اب کیا ہوا؟"

"تم سے بڑی بھول ہوئی.... بھلے آدمی.... اس بزرگ کو.... لا
والے کو جنگل میں کیوں چھوڑ کر آئے.... اسے گھر لانا تھا.... وہ یہاں
ہمارے پاس رہیں گے.... ہم دن رات ان کی خدمت کریں گے.... ا
وہ جب چاہیں گے.... ہمیں ایک کنکر اٹھا کر دے دیا کریں گے.... ا
طرح ہم کس قدر مال دار ہو جائیں گے.... تم سوچ بھی نہیں سکتے"۔

"اب مجھے پھر جانا اچھا نہیں لگتا"۔

"پھر جانا ہو گا"۔ بیوی نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ کیا خیال کریں گے؟"

"ایسے لوگ کچھ خیال نہیں کیا کرتے.... انھیں کرنا کیا

ہے.... ایک کنکر ہی تو اٹھا کر دینا ہوتا ہے"۔

"تم.... تم بہت لالچی ہو.... پہلے یہ ایک لاکھ تو خرچ کر لو"۔

"حد ہو گئی.... اس ایک لاکھ سے تم ایک اچھا مکان بھی نہیں خریدا جا سکتا.... آج کل لاکھ سے بنتا کیا ہے.... اگر تم اس کی خدمت کرو گے تو وہ خوش ہو کر کئی کنکر تمھیں دے دے گا.... اور اس طرح ہم ایک اچھا مکان خرید سکیں گے.... اس کے ایک کمرے میں بابا کو رکھیں گے"۔

"اچھا میں جاتا ہوں"۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔

اور وہ پھر جنگل میں چلا آیا.... بڑے میاں اسی طرح بیٹھے تھے۔

"آنکھیں کھولے بغیر وہ بولے۔

"تو تمھاری بیوی نے تمھیں ٹکنے نہیں دیا.... پھر بھیج دیا.... اس سے کہو.... لالچ بری بلا ہے.... اور یہ ایک کنکر اور لے جاؤ"۔

یہ کہ کر اس نے کنکر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لیکن بابا.... آپ ہمارے پاس چل کر کیوں نہیں رہتے"۔

"ہمیں شہر کا شور پسند نہیں.... یہاں سکون ہے.... اللہ کی یاد میں مزا آتا ہے یہاں"۔ بابا نے کہا۔

"تب پھر ہم بھی یہاں آ جاتے ہیں.... آپ کے پاس.... آپ کی خدمت کیا کریں گے"۔

"تمھاری مرضی"۔

وہ دوسرا کنکر لے کر گھر آ گیا.... مٹھی کھولی تو وہ موتی تھا.... بیوی کو دکھایا تو وہ خوش ہو گئی۔

"دیکھا.... میں نے کیا کہا تھا.... ان لوگوں کو کنکر اٹھا کر دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہوتا"۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے.... ہم وہیں چل کر رہیں گے.... دن رات ان کی خدمت کریں گے.... وہ شہر آنے کو تیار نہیں"۔

"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے.... تم فوراً" وہاں ان کے لیے جھونپڑا بنوا ڈالو"۔

جھونپڑا بنوایا گیا.... پھر اس کے ساتھ دوسرا جھونپڑا بنا.... ایک میں وہ آ گئے.... دوسرے میں بابا.... ہوتے ہوتے بابا کی شہرت میں اضافہ ہونے لگا.... وہ اب بابا کا سب سے بڑا مرید بن چکا تھا.... وہ جس کی ملاقات کرانا چاہتا.... کرا دیتا.... اور جس کو چاہتا انکار کر دیتا.... کہہ دیتا کہ بابا آرام کر رہے ہیں.... پھر کسی وقت آنا"۔

بابا بھی ہر کسی کو کنکر نہیں دیتا تھا.... کسی کو دعا دیتا.... کسی کو تعویذ.... تو کسی کو کنکر اور کسی کو کچھ.... اس طرح وہاں روزانہ میلا سا لگنے لگا.... پھر وہاں ان جھونپڑوں کی جگہ بڑی سی ایک عمارت بنائی گئی.... جنگل شہر بننے لگا.... اس عمارت کے آس پاس مختلف چیزوں کی دکانیں کھلیں.... مکانات بننے لگے.... ہر چیز وہاں ملنے لگی.... اور اب وہ سب سے بڑا مرید سب سے زیادہ اہم ہو گیا.... لوگ بابا سے پہلے اس

کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے.... اس کا نام فیاض شاہ تھا۔

باباجی لوگوں کو دھڑا دھڑ اپنا مرید بنانے لگے.... مرید نذرانے لانے لگے.... یہ سب چیزیں باباجی لوگوں میں تقسیم کرا دیتے.... اور ان میں سے خود کچھ نہ لیتے.... وہ تو چند لقمے صبح شام کھاتے اور بس.... انہیں دنیا کی اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی.... ان کے مریدوں میں روز بروز اضافہ ہونے لگا.... کبھی کبھی وہ اپنے کسی مرید سے کوئی کام بھی لے لیتے.... اس سے کہتے.... شہر جاؤ.... میرے لیے فلاں چیز لے آؤ.... لیکن اس فلاں چیز کے پیسے وہ خود دیتے تھے.... کسی دوسرے کو نہیں دینے دیتے تھے۔

ہوتے ہوتے پولیس کے بڑے بڑے آفیسرز بھی وہاں آنے لگے.... پہلے پہل پولیس کے آفیسرز نے انہیں شک کی نظروں سے دیکھا.... ان کو خوب دیکھا بھالا.... ٹٹولا.... چیک کیا.... تلاشیاں بھی لیں.... لیکن وہ کوئی ایسی وجہ تلاش نہ کر سکے کہ ان پر شک کیا جا سکتا.... آخر تھک ہار گئے اور ان کے مرید بنتے چلے گئے.... اب پولیس والے بھی ان کے مرید تھے.... کچھ فوجی بھی آ کر مرید ہو گئے.... اس طرح رونق بڑھتی چلی گئی۔

ایسے میں اخبارات میں ایک دن نوبا کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا.... ٹی وی پر بھی صدر کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا.... الفاظ یہ تھے۔

"یہ اعلان توبا کی طرف سے ہے
سننے میں آیا ہے کہ جنگل میں کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں اور
لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہے ہیں.... شہریوں کو ہدایت کی جاتی
ہے کہ ایسے لوگوں کے جال میں نہ آئیں.... میں اس کا پول
کھول دوں گا.... وہ بے نقاب ہو جائے گا... اور آپ کو پتہ
چل جائے گا کہ وہ کتنا بڑا فراڈیا ہے.... ۱۵ تاریخ کی شام کو
میں اس سے مقابلہ پر اتروں گا... اور دیکھوں گا' وہ کتنے پانی
میں ہے"۔

○☆○

پھانسی پر چڑھا دو

اس اعلان کا ذکر بابا سے کیا گیا.... انہوں نے فوراً" کہا:
"اللہ والوں کو ایسے مقابلے کرنے کی ضرورت نہیں.... میں نے
آپ لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ اس جنگل کو شہر بنا دو.... میرے لیے یہ
کرو.... وہ کرو... میں تو کچھ بھی کرنے کو تیار نہیں تھا.... میں تو اپنی دنیا
میں مگن رہنا چاہتا تھا.... اور بس.... لیکن نہ جانے مسٹر توبا کے ذہن
میں کیا ہے.... وہ مجھے کیوں پریشان کرنا چاہتے ہیں.... کیا میں نے مسٹر
توبا کے کسی معاملے میں ٹانگ اڑائی ہے.... کہ وہ اب ایسا کر رہا ہے....
میں ہرگز کوئی مقابلہ نہیں کروں گا... وہ جو چاہیں کریں"۔

باباجی کے یہ الفاظ صدر کے ذریعے توبا تک پہنچے... اس نے
کہا۔

"مقابلہ ہو کر رہے گا"۔

دوسرے دن شام کو صدر اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر اس جنگل
میں پہنچ گئے اور بابا کی جھونپڑی کے پاس رک کر بولے۔

"بابا.... میں توبا کا ایک خادم آ گیا ہوں' آپ پہلے مجھ سے

ملاقات کر لیں"۔

"اللہ والوں کو دنیا داروں سے ملاقات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی"۔ بابا کی آواز گونجی۔

"اگر آپ مقابلہ نہیں کریں گے تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا"۔

"تب پھر کر لیں گرفتار"۔ بابا بولے۔

"کیا کہا... کر لیں گرفتار"۔

"نہیں! ہم بابا کو گرفتار نہیں ہونے دیں گے... ان کا جرم کیا ہے آخر"۔ لوگ چلا اٹھے۔

"اگر کسی نے رکاوٹ بننے کی کوشش کی... تو اسے بھی گرفتار کر لیا جائے گا"۔ فوجی نے بلند آواز میں کہا۔

"تب پھر کر لیں گرفتار... لیکن صرف مجھے... ان لوگوں کا کیا قصور... لوگو تم درمیان میں دخل نہ دو... یہ گرفتار کرتے ہیں... کرنے دیں... میں فوراً ہی یہاں واپس آ جاؤں گا"۔

لوگ رک گئے... بابا کو گرفتار کر لیا گیا... وہاں سے انہیں شہر میں لایا گیا۔

اب پورے شہر میں ہلچل مچ گئی... سنسنی طاری ہو گئی... ہر کوئی سوچ رہا تھا... اب کیا ہو گا... ہر کوئی پریشان تھا' ہراساں تھا... اجو تو بابا کو نہ جانے بابا سے کیا ضد تھی... وہ انہیں چھوڑنے پر کسی طرح

تیار نہیں تھا... ایسے میں ایک خبر گونجی... خبر یہ تھی۔

"بابا کو اگرچہ گرفتار کر لیا گیا... گرفتار کر کے اسے شہر میں لایا گیا ہے... لیکن اس کے باوجود بابا وہیں اپنے مکان پر موجود ہیں... اپنے کمرے میں ہیں"۔

اس خبر نے شہر کو حیرت زدہ کر دیا... لوگ بے تحاشا جنگل کی طرف دوڑ پڑے... انہوں نے وہاں جا کر جب دیکھا تو بابا واقعی اپنی جگہ پر نظر آئے۔

"یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے باباجی"۔ فیاض شاہ چلا اٹھا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ وہاں بھی ہیں اور یہاں بھی"۔

"اللہ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے"۔ بابا ہنسے۔

"لل... لیکن... اب شہر کا شہر اس طرف امڈا چلا آ رہا ہے"۔

"انہیں روکو"۔ وہ گھبرا گئے۔

"اب وہ نہیں رکنے کے... آپ کو دیکھ کر ہی یہاں سے لوٹیں گے"۔

"اچھا خیر... آنے دو پھر انہیں"۔

شہر کے ان گنت لوگ وہاں جمع ہو گئے... وہ بابا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بری طرح بے چین تھے... ان میں سرکاری لوگ بھی تھے۔

آخر بابا مکان کی چھت پر آ گیا اور کہنے لگا۔

"آپ لوگوں کو میری وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے.... وہ مجھے گرفتار کر کے بھی گرفتار نہیں کر سکے..... ہم اللہ والے اس قسم کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے..... ہم تو بس اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں.... ہاں کوئی ہمیں زیادہ تنگ کرے تو اس کو ضرور ہم سبق سکھاتے ہیں.... اور تو بابا بھی سبق سیکھ چکا ہو گا.... اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں"۔

"بہت اچھا باباجی"۔

سب لوگ لوٹ آئے.... تب فیاض شاہ اندر آیا اور بابا سے بولا۔

"لیکن باباجی.... آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ وہاں بھی موجود ہیں اور یہاں بھی"۔

"فیاض شاہ.... تم ابھی یہ راز نہ پوچھو.... اسی میں بہتری ہے"۔

"بہت بہتر"۔

ایک گھنٹے بعد فوج نے ایک بار پھر اس مکان کو گھیرے میں لے لیا.... فیاض شاہ گھبرا گیا.... وہ فوراً باباجی کی خدمت میں پہنچا۔

"فوج نے مکان کو گھیر لیا ہے"۔

"کوئی بات نہیں.... وہ اگر مجھے گرفتار کرتے ہیں تو کرنے دو..

میں پھر یہاں موجود رہوں گا.... ان شاء اللہ"۔

"مطلب یہ کہ وہ باباجی وہاں قید میں ہونے کے باوجود آپ یہاں بھی موجود ہوں گے"۔ فیاض شاہ چلا اٹھا۔

"ہاں! تم فکر نہ کرو"۔

"لیکن جو وہاں قید ہوں گے"۔

"وہ قید خانے میں قیدیوں کو اللہ کی طرف لگائیں گے"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر فوج نے باباجی کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیا.... وہ باہر نکل آئے.... انہیں گرفتار کر لیا گیا اور وہاں سے لے گئے.... ایک بار پھر شہر میں ہلچل مچ گئی.... پہلے تو لوگ اس وجہ سے مطمئن ہو گئے تھے کہ اگر حکومت نے بابا کو گرفتار کر لیا ہے تو کیا ہوا.... ان کا بابا تو جنگل میں اپنے مکان میں موجود ہے.... انہیں اس بات کی کیا پروا کہ حکومت نے کسے گرفتار کیا ہے.... لیکن جب دوبارہ ان کی گرفتاری کی خبر اڑی تو لوگ ایک بار پھر پریشان ہو گئے.... اور پھر سے جنگل کی طرف دوڑ پڑے.... ہزارہا لوگ اس مکان کے گرد جمع ہو گئے اور حکومت کے خلاف نعرے لگانے لگے۔

باباجی ایک بار پھر چھت پر نمودار ہوئے اور بولے۔

"کیا بات ہے.... آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟"

"اوہ.... آپ پھر یہاں ہیں.... ہم نے تو سنا تھا کہ ان لوگوں نے

پھر آپ کو گرفتار کر لیا ہے"۔

"بالکل کیا ہے.... اب تک وہ میرے دو ہمزادوں کو گرفتار کر چکے ہیں.... لہٰذا جیل میں میں نہیں.... میرے ہمزاد ہیں.... مجھے وہ اب بھی گرفتار نہیں کر سکتے.... لہٰذا آپ لوگ فکر نہ کریں.... ان ہمزادوں کو بھی ہم جب چاہیں گے.... چھڑا لیں گے"۔

"باباجی"۔ کسی نے بلند آواز میں کہا۔

"زندہ باد"۔

"یہ نعرہ درست نہیں ہے.... آپ نعرۂ تکبیر.... اللہ اکبر.... یہ نعرہ لگائیں.... صرف اور صرف خدا کا نام بلند کریں"۔

"اب ہمارے ملک میں خدا کا نام بلند کرنا جرم ہو گیا ہے باباجی.... جو کوئی خدا کا نام لیتا ہے.... اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے.... مسجدوں کو تالے لگا دیے گئے ہیں"۔

"فکر نہ کرو.... بہت جلد وہ تالے کھلیں گے.... نوبا نیست و نابود ہو گا.... آپ لوگ اپنے گھروں کو جائیں.... اور پرسکون رہیں.... اگر میری گرفتاری کی پھر خبر سنیں تو ادھر آنے کی ضرورت نہیں.... وہیں بیٹھے بیٹھے یہ خیال کر لیں کہ وہ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے.... ہاں میرے کسی ہمزاد کو ضرور لے جائیں گے"۔

"آخر ایسے کتنے ہمزاد ہیں آپ کے"۔

"یہ سوال نہ پوچھو.... بس جب ضرورت پڑتی ہے.... میں ایک

ہمزاد بنا لیتا ہوں"۔

"جی کیا فرمایا.... آپ خود بنا لیتے ہیں"۔

"غلط سمجھے.... میں بھی غلط کہ گیا.... اللہ تعالیٰ بنا دیتے ہیں"۔

"اچھا تو پھر ہم بے فکر ہو کر جائیں"۔

"ہاں بالکل"۔ انہوں نے کہا۔

لوگ لوٹ گئے.... وہ نیچے آ گئے.... فیاض شاہ انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ.... یہ کیسے ہو سکتا ہے باباجی"

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جب پہلی بار فوجی آئے.... آپ کو گرفتار کرنے کے لیے.... تو اس وقت یہاں کوئی نہیں تھا.... صرف آپ تھے.... وہ آپ کو لے گئے.... لیکن آپ پھر گھر کے اندر نظر آئے.... دوبارہ بھی یہی ہوا.... ابھی جب فوج آئی تو آپ اکیلے یہاں تھے.... وہ آپ کو لے گئے.... لیکن آپ پھر بھی یہاں موجود ہیں.... آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"بھئی.... تم پریشان نہ ہو.... فکر مند نہ ہو.... اس کی وضاحت میں پھر کسی وقت کروں گا"۔

"اچھا جیسے آپ کی مرضی"۔

ادھر شہر میں زبردست ہل چل تھی.... لوگ نوبا کے خلاف نفرت ہی نفرت محسوس کر رہے تھے اور باباجی سے محبت ہی محبت.... ادھر

صدر کا برا حال تھا.... اس نے غصے میں ایک فوجی آفیسر کو حکم دیا۔

"جن دو کو ہم نے گرفتار کیا ہے.... انہیں میرے سامنے لایا جائے.... آخر یہ کیسے ممکن ہے.... کہ وہ وہاں بھی موجود ہے اور ہم دو بار اسے گرفتار بھی کر چکے ہیں"۔

"معاف کیجئے گا سر.... ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں"۔ آفیسر نے کہا۔

"ہاں! کہئے"۔

"آپ نوبا سے کیوں نہیں پوچھتے.... وہ تو بتا سکتا ہے.... کہ یہ کیا چکر ہے"۔

"اوہ ہاں.... بالکل ٹھیک.... میں اس سے رابطہ کرتا ہوں.... آپ ان دونوں کو یہاں لے آئیں"۔

"بہت بہتر"۔ آفیسر نے کہا اور چلا گیا۔

وہ دو عدد باباجی کو لے کر صدر کے سامنے پہنچا.... صدر صاحب آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے.... اس نے مناسب نہ سمجھا کہ انہیں آواز دے.... بس یونہی کھڑا رہا.... دروازے کے باہر اس کے ماتحت کھڑے تھے۔

"آپ خاموش کھڑے ہو گئے.... انہیں بتائیں نا.... کہ آپ انہیں لے آئے ہیں"۔ ایک باباجی نے منہ بنا کر کہا۔

اس کی آواز سن کر بھی صدر نے آنکھیں نہ کھولیں۔

"سر.... یہ لوگ آ گئے ہیں"۔

وہ اب بھی نہ ہلے.... آفیسر گھبرا گیا.... اس نے قریب جا کر ان کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

"کک.... کیا.... بات ہے"۔ وہ زور سے اچھل پڑے۔

"سر.... یہ حاضر ہیں"۔

"اوہ! میری آنکھ لگ گئی تھی.... دراصل میں رات سو نہیں سکا"۔

"کیوں سر؟"

"وہ.... وہ.... بس.... بس میری طبیعت خراب تھی"۔

"لیکن سر.... آپ نے مجھے حکم کیوں نہیں دیا کہ آپ کے ڈاکٹر کو فون کر دوں"۔

"بس.... میں نے تمہیں بے آرام کرنا مناسب خیال نہیں کیا"۔

"ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی سر.... میں ہر وقت یہاں ڈیوٹی پر ہوں"۔

"خیر کوئی بات نہیں.... تو یہ آ گئے"۔

"ہاں سر.... یہ حاضر ہیں"۔

"اچھا.... آپ باہر جائیں.... دروازہ بند کر دیں.... اور کسی کو اندر نہ آنے دیں.... پہلے میں ان سے بات کروں گا"۔

"اوکے سر"۔ وہ چلا گیا۔۔۔ دروازہ بند ہو گیا۔

"اب آپ بتائیں۔۔۔۔ یہ سب کیا چکر ہے؟"

"کس چکر کی طرف اشارہ ہے"۔ ایک نے سرد آواز میں کہا۔

صدر نے اپنے جسم میں کپکپی محسوس کی۔

"آپ کو گرفتار کیا گیا۔۔۔ آپ پھر بھی جنگل والے مکان میں موجود تھے۔۔۔ آپ کو وہاں سے دوبارہ گرفتار کیا گیا۔۔۔۔ آپ پھر وہاں موجود ہیں۔۔۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔۔ کیا آپ جادوگر ہیں؟"

"اللہ والے جادوگر نہیں ہوتے۔۔۔ جادو حرام ہے"۔

"تب پھر۔۔۔ آپ یہاں بھی موجود ہیں۔۔۔۔ اور وہاں بھی۔۔۔ کیا آپ حاضر ناظر ہیں۔۔۔۔ آپ تو کہتے ہیں۔۔۔۔ سوائے اللہ کے کوئی حاضر ناظر نہیں"۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ ہم بالکل درست کہتے ہیں۔۔۔۔ اللہ کی کتاب قرآن کریم بھی جگہ جگہ یہی اعلان کرتی ہے۔۔۔۔ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی ہر جگہ موجود نہیں ہے"۔

"تب پھر۔۔۔ آپ اپنے بارے میں وضاحت کریں"۔

"کیا بات ہے۔۔۔۔ آپ کو نوبا نے نہیں بتایا آپ کو"۔ ایک نے ہنس کر کہا۔

"تم نوبا کی بات چھوڑو۔۔۔۔ اس سے میں بعد میں رابطہ کروں گا"۔

"تب ہم اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتے"۔

"تم دونوں کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔۔۔ اگر سوال کا جواب نہ دیا"۔

"چڑھا دیں"۔

"آفیسر"۔ صدر نے چیخ کر کہا۔۔۔۔ وہ دوڑا اندر آیا۔

"انہیں ابھی اور اسی وقت پھانسی پر چڑھا دو۔۔۔ ہم اپنی آنکھوں سے ان کی پھانسی کا منظر دیکھیں گے"۔

○☆○

مشکل کام نہیں

شہر کے مشہور ہوٹل البرانو کے ہال میں لوگ کھانا کھا رہے تھے.... اچانک ایک چیخ بلند ہوئی.... سب لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ لیکن کوئی نہ جان سکا کہ ہال میں کون چیخا تھا.... آخر کاؤنٹر سے بھاری بھرکم آواز ابھری۔

"یہ کون چیخا تھا؟"

"میں"۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا' ساتھ ہی اس نے [illegible] ہاتھ رکھا۔

وہ خوبصورت اور نوجوان آدمی تھا.... چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"آپ کیوں چیخے تھے؟"

"میں نے یہاں کوئی بورڈ لکھا ہوا نہیں پڑھا.... کہ یہاں چیخنا ہے"۔

لوگ ہنسنے لگے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"کوئی بات ہوئی یا نہیں.... ہوٹل کی انتظامیہ لکھ کر لگا دے۔

یہاں چیخنا منع ہے"۔

"اوہو.... آپ چیخے کیوں تھے.... ہم تو صرف وجہ پوچھ رہے ہیں.... کیا آپ کو ہوٹل کی انتظامیہ سے کوئی شکایت ہے"۔

"ہاں! ہے"۔ وہ پھر چیخا۔

"آپ آہستہ آواز میں بات نہیں کر سکتے"۔

"نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اس ہوٹل میں.... لوگوں کو مردار جانور کا گوشت کھلایا جا رہا ہے"۔

"کیا!!!" سب لوگ چلا اٹھے۔

"نہیں.... یہ غلط ہے.... خبردار.... اس کے بعد کوئی لفظ منہ سے نہ نکالنا"۔ وہی بھاری بھرکم آواز سنائی دی.... اور ایک گول مٹول سا آدمی کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"یہ آدمی ہے یا گیند"۔ نوجوان اس کو دیکھ کر ہنسا۔

"ابھی بتاتا ہوں بچے"۔ گیند نما آدمی غرایا۔

"آپ کی تعریف؟"

"یہ اس ہوٹل کے مالک ہیں.... منیجر بھی یہی ہیں.... مسٹر سام بارو"۔ ایک بیرے نے فخریہ انداز میں تعارف کرایا۔

"اوہ اچھا.... خوشی ہوئی ان سے مل کر.... کیا نام بتایا.... مسٹر

خام بارو"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اوہو.... سام بارو"۔ بیرا چلایا۔

"اب یہ کیوں چیخے"۔

"ہمارا ہوٹل ہے.... جو جی چاہے.... کریں.... آپ کون ہیں.... اور یہ آپ نے کیا بکواس کی؟"

"دیکھئے جناب تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کریں"۔

"تم جیسوں سے ایسی ہی زبان میں بات کی جاتی ہے"۔

"بہت جلد آپ تہذیب کے دائرے میں بات کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"۔ نوجوان نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" سام چونکا۔

"میں نے کہا ہے.... آپ بہت جلد مجھ سے تہذیب سے بات کریں گے"۔

"میں بہت جلد تمہیں اٹھا کر باہر پھینک رہا ہوں"۔

"میرا قصور.... کیا صرف یہ کہ میں نے یہ کہہ دیا.... یہاں مردار جانور کا گوشت فروخت ہوتا ہے"۔

"ہاں! یہ تم نے کیا بکواس کی ہے.... ہم بہترین گوشت استعمال کرتے ہیں"۔

"نہیں.... مردار جانور کا"۔ اس نے مضبوط ہو کر کہا۔

"کیا تم اس شہر میں نئے ہو.... اس ہوٹل میں پہلی بار آئے

ہو؟"

"شہر میں نیا نہیں.... لیکن بہت دنوں سے ملک سے باہر تھا.... ہاں ہوٹل میں پہلی بار آیا ہوں.... وہ بھی مجبور ہو کر"۔

"مجبور ہو کر.... کس نے مجبور کیا آپ کو یہاں آنے پر؟"

"کسی نامعلوم طاقت نے کہا تھا کہ اس ہوٹل میں جاؤ.... اب معلوم ہوا.... وہ نامعلوم طاقت مجھے یہاں کیوں لانا چاہتی تھی"۔

"وہ کیوں لانا چاہتی تھی؟" سام ہنسا۔

"تاکہ میں لوگوں کو خبردار کر سکوں کہ مردار جانور کا گوشت کھلایا جاتا ہے یہاں"۔

"حد ہو گئی.... کیا تم ابھی آدھ گھنٹہ پہلے ہوٹل میں داخل نہیں ہوئے تھے؟" سام بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے.... بلکہ میں تو شہر میں بھی ایک گھنٹہ پہلے ہی داخل ہوا ہوں.... جہاز سے اترا تو ٹیکسی ڈرائیور نے آپ کے ہوٹل کا نام لیا.... میں نے سر ہلا دیا.... اور وہ مجھے یہاں لے آیا.... میں تو یہ تک نہیں جانتا کہ شہر کے حالات کیا ہیں.... پہلے میں اپنے دوستوں کے ہاں جانا چاہتا تھا.... لیکن کسی انجانی طاقت نے مجھ سے کہا کہ نہیں.... ہوٹل ایرانو جانا ہے"۔

"حیرت ہے.... کمال ہے.... خیر.... اب آپ کے حق میں بہتر یہ رہے گا کہ آپ خود چل کر ہوٹل سے نکل جائیں.... اور اس کھانے کا

بل میز پر رکھ دیں.... بیرا.... ان کا کتنا بل بنتا ہے"۔

"سات سو نو روپے سر"۔

"ہاں تو سات سو نو روپے میز پر رکھ دیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں.... آپ کے لیے آسانی اسی میں رہے گی.... ورنہ پھر آپ کو گڑبڑ کرنے کے جرم میں حوالات جانا ہو گا.... پولیس کو میں پہلے ہی اطلاع دے چکا ہوں.... کہ ہوٹل میں ایک عدد سرپھرا موجود ہے.... آ کر اسے پکڑ لیں"۔

"وہ مجھے کس جرم کے تحت گرفتار کریں گے"۔

"کیوں بھائیو کیا یہاں کسی نے توڑ پھوڑ ہوتے دیکھی ہے؟"

کوئی کچھ نہ بولا.... نہ کسی نے ہاں میں سر ہلایا نہ نہیں میں۔

"شاید آپ لوگ گواہی دیتے ہوئے ڈرتے ہیں.... کہ مسٹر سام نہ جانے آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا.... لیکن آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہی مسٹر سام آپ کو مردار جانور کا گوشت کھلا رہا ہے"۔

"آخر ہم اس بات پر کیسے یقین کر لیں؟" ایک گاہک بلند آواز میں بولا۔

"خدا کا شکر ہے.... کوئی تو بولا.... جواب اس کا یہ ہے کہ ہوٹل کی تلاشی لی جائے"۔

"یہ ہمیں تلاشی لینے نہیں دیں گے"۔

ایسے میں دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا.... اور پولیس اندر

داخل ہوئی.... آگے ایک سب انسپکٹر تھا.... اس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں.... وہ بہت خوفناک لگ رہی تھیں.... آتے ہی بولا۔

"مجھے انسپکٹر لالہ کہتے ہیں مسٹر سام.... آپ کو میری یاد کیسے آ گئی؟"

"آپ ان صاحب کو دیکھ رہے ہیں مسٹر لالہ؟"

"ہاں کیوں.... کیا ہوا انھیں اچھے بھلے تو ہیں"۔ انسپکٹر لالہ بولا۔

"اوہو.... آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں"۔

"تو آپ بات کو سمجھانے کی کوشش کریں نا"۔ لالہ جھلا کر بولا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے.... خیر.... میں آپ کو ساری بات بتاتا ہوں"۔ اس دوران سب انسپکٹر کے آدمی اس نوجوان کو گھیرے میں لے چکے تھے۔

اب ہوٹل کے مالک سام ہارو نے لالہ کو ساری بات سنائی۔

"تب تو بات صاف ہو گئی.... ہم اسے لے جاتے ہیں.... گرفتار کر لو بھئی اسے"۔

"لیکن جناب.... کس جرم کے تحت.... کیا ہمارے ملک میں کوئی قانون نہیں ہے؟"

"قانون ہے.... لیکن آپ کسی کو مار ڈالتے ہیں.... بلاوجہ خون کر دیتے ہیں.... تو کیا آپ کو گرفتار کرنا قانون کی خلاف ورزی ہے؟"

"نہیں.... لیکن.... یہاں تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا؟" نوجوان

مسکرایا۔

"اور یہ جو آپ نے کہا ہے کہ یہاں مردار کا گوشت فروخت کرتے ہیں"۔

"تو میں نے کیا غلط کہا؟"

"اس بات کا ثبوت؟"

"یہ دیکھئے... میری پلیٹ میں جو گوشت ہے.... یہ مردار جانور کا ہے... اگر یہ مردار کا گوشت نہیں ہے.... تو یہ لوگ اس بات کو ثابت کریں"۔

"حد ہو گئی... ہم ثابت کریں.... الزام آپ لگا رہے ہیں... اور ثابت ہم کریں"۔

"مجھے ثابت کرنے کی تو یہ دعوت ہی نہیں دے رہے"۔ وہ مسکرایا۔

"تو میں آپ سے کہتا ہوں.... کہ یہ ثابت کریں"۔ لالہ جلے

"آپ کس کی باتوں میں آ گئے.... بس پکڑ کے لے جائیں"۔

سام نے سرد آواز میں کہا۔

"اوہ ہاں واقعی.... گرفتار کر لو اسے"۔

"یہ بھی قانون کی خلاف ورزی ہے.... آخر آپ کس جرم کے تحت گرفتار کریں گے مجھے؟"

"لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے جرم میں.... ہال میں موجود تمام

لوگ آپ کی باتوں سے خوف زدہ ہو گئے ہیں"۔

"کیوں جناب! کیا آپ میری باتیں سن کر خوف زدہ ہو گئے ہیں"۔

"نہیں.... اس میں خوف کی کوئی بات نہیں"۔ ایک گاہک نے منہ بنا کر کہا... کیونکہ لوگ اب یہ بات صاف طور پر محسوس کرنے لگے تھے کہ اس نوجوان کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی.... اگر اس نے ایک دعوٰی کیا تو اسے ثابت کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے تھا.... نہ کہ بس گرفتار کر لیا جائے۔

"دیکھا آپ لوگوں نے... میری وجہ سے کوئی خوف زدہ نہیں ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"آپ نے ہوٹل کے معاملات میں دخل اندازی کی ہے"۔ سام غرایا۔

"کیا یہ کہنا دخل اندازی ہے کہ ہمیں مردہ گوشت کیوں کھلایا جا رہا ہے.... ہم مردہ کے پیسے دیتے ہیں یا زندہ کے"۔

"زندہ کے"۔ لوگ چلائے۔

"بس تو پھر ہوٹل کے مالک یہ بات ثابت کریں کہ یہ آپ کو مردہ جانور کا گوشت نہیں کھلاتے"۔

"مجھے ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے... جس نے یہ شوشہ چھوڑا ہے... وہ ثابت کرے"۔ سام بارو نے چیخ کر کہا۔

"بہت خوب! یہی تو میں چاہتا ہوں"۔

"تب پھر آپ کریں ثابت"۔ سب انسپکٹر نے کہا۔

"وہاں لیجیے.... جب کوئی جانور مر جاتا ہے.... تو خون کا کچھ نہ کچھ حصہ اس کے گوشت میں ہی رہ جاتا ہے.... اور جم جاتا ہے.... لیکن کسی جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو قریب قریب تمام خون اس کا نکل جاتا ہے اور اندر خون نہیں رہ جاتا.... کیا آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں؟"

"پتا نہیں.... ہم نے تو ایسی بات پہلی بار سنی ہے"۔

"یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں"۔ ایک طرف سے آواز ابھری۔

لوگ اس طرف گھوم گئے.... یہ الفاظ ایک نوجوان آدمی نے کہے تھے۔

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں ایک ڈاکٹر ہوں.... مویشیوں کا ڈاکٹر"۔ اس نے کہا۔

"اوہ.... اس کا مطلب ہے.... مردہ جانور کے گوشت میں خون رہ جاتا ہے.... جما ہوا خون"۔ نوجوان بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"تب پھر دیکھیں.... جو گوشت میری پلیٹ میں موجود ہے.... اس کو پانی سے دھو رہا ہوں تاکہ شوربا وغیرہ اس پر سے صاف ہو جائے"۔

یہ کہہ کر اس نے گوشت کی بوٹیوں کو ایک برتن میں دھو ڈالا....

پھر صاف بوٹیوں کو ایک خالی پلیٹ میں رکھ لیا.... جیب سے چاقو نکالا اور اس ان بوٹیوں کو نہ جانے کس طرح تراشا کہ اندر جما ہوا خون صاف نظر آنے لگا۔

"یہ دیکھیے.... یہ ہے جما ہوا خون"۔

"نن نہیں.... نہیں"۔ لوگ چلائے۔

"بیڑہ غرق.... تم نے کس وہم میں ہمارے گاہکوں کو ڈال دیا.... دراصل.... ایسی کوئی بات نہیں.... دراصل یہ صاحب ہوٹل ملتان کے آدمی ہیں اور ہمارے ہوٹل کو بدنام کرنے کا منصوبہ بنا کر آئے ہیں"۔

"کیا!!!" لوگ پھر چلا اٹھے۔

اور اب وہ نوجوان کو بری طرح گھور رہے تھے.... اس کے چہرے پر ذرا بھی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔

"آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... میں کسی ہوٹل کا ایجنٹ نہیں ہوں.... میں تو ابھی ابھی افریقہ سے چلا آ رہا ہوں.... وہاں کے جنگلات میں کئی ماہ گزار کر"۔

"یہ جھوٹا ہے"۔ سام چلایا۔

"کیا کہا.... میں جھوٹا ہوں"۔

"ہاں بالکل.... یہی بات ہے"۔

"انسپکٹر صاحب! آپ ذرا میرے کاغذات چیک کر کے ان لوگوں کو بتائیں.... کہ میں جھوٹا ہوں یا کیا ہوں"۔

"اچھا"۔ اس نے فوراً کہا۔

اور پھر اس نے پوری توجہ سے چیک کیا... آخر بولا۔

"یہ کاغذات بالکل درست ہیں اور ان کی رو سے یہ افریقہ کے ملک میں کئی ماہ گزار کر سیدھے اس ہوٹل میں چلے آ رہے ہیں... لہٰذا اس بات کا دور دور تک امکان نہیں کہ یہ کسی ہوٹل کے ایجنٹ ہو سکتے ہیں"۔

"شکریہ جناب... آپ نے میری بہت مدد کی"۔

"جو سچ تھا' میں نے تو صرف وہ بیان کیا ہے... لیکن جو ثبوت آپ نے پیش کیا... وہ مکمل نہیں ہے"۔

"تب پھر میرا ایک دعویٰ ہے... اور وہ یہ کہ اس ہوٹل کے نیچے ایک بڑا تہہ خانہ ہے... اس تہہ خانے میں آپ کو مردہ جانوروں کا گوشت فریزروں میں مل جائے گا... آپ اس گوشت کو ڈاکٹر حضرات سے چیک کرا لیں"۔

"آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟" انسپکٹر اس کی طرف مڑا۔

"اس ہوٹل کے نیچے کوئی تہہ خانہ نہیں ہے"۔

"اور اگر مل گیا تہہ خانہ؟"

"تب ہم آپ کو سچا جان لیں گے"۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں"۔ ہال کے ایک طرف آواز ابھری۔ آواز ایک لڑکے کی تھی... سب لوگ اس آواز کی طرف مڑے۔

"آپ کون ہیں... اور یہ آپ نے کیا کہا؟" سام نے جھلا کر کہا۔

"میں نے یہ کہا ہے جناب کہ اس ہوٹل میں تہہ خانہ تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں... بشرطیکہ یہ صاحب ہمیں ساتھ ملا لیں"۔

"م... میں... یعنی کہ میں... اور آپ کو ساتھ ملا لوں"۔ نوجوان آدمی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! ملا لیں ہمیں ساتھ"۔ لڑکا بولا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے... ملا لینے کو جی چاہ رہا ہے... اچھا ملا لیا"۔ نوجوان مسکرایا۔

"تب آپ لوگ ایک طرف ہٹ جائیں... تہہ خانہ میں تلاش کر کے دوں گا"۔

"کیا!!!" لوگ چلا اٹھے۔

"ہاں جناب! تہہ خانہ میں تلاش کر کے دوں گا... اس میں گوشت آپ خود دیکھ لیجئے گا... اور ڈاکٹر صاحبان اس گوشت کو مردہ جانوروں کا گوشت ثابت کریں گے... اس طرح بات مکمل ہو جائے گی"۔ لڑکے نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ... آپ کون ہیں دوست؟" نوجوان نے حیران ہو کر کہا۔

"پہلے آپ بتائیں... آپ کا کیا نام ہے؟" لڑکا بولا۔

"میرا نام منور علی خان ہے اور میں ایک شکاری ہوں... شکار

کرنا میرا مشغلہ بھی ہے اور کاروبار بھی.... اس لیے میں فوراً" بتا سکتا
ہوں کہ گوشت مردہ جانور کا ہے یا ذبح کیے ہوئے جانور کا"۔

"اوہ.... اوہ"۔ لڑکا بولا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟" منور علی خان بولے۔

"آپ کا نام بہت سنا ہوا ہے.... میں بہرحال آپ کا ساتھ ضرور
دوں گا"۔

"لیکن ابھی تک آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟" منور علی خان
بولے۔

"میرا نام احمد ہے.... جناب.... اب آپ مجھے اپنا کام کرنے
دیں"۔

"او کے.... لیکن میں آپ کے ساتھ رہوں گا.... کہیں ہوٹل کا
کوئی ملازم مسٹر سام کے اشارے پر آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی
کوشش نہ کرے"۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔ لڑکا مسکرایا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے.... میرا دل آپ کی طرف کھنچا چلا جاتا
ہے"۔

"تو آپ اپنے دل کو نہ روکیں نا.... اسے کھنچا چلا آنے دیں"۔
لڑکا مسکرایا۔

"یار احمد.... سچ بتانا.... آپ کا نام یہی ہے؟" منور علی خان۔

دبی آواز میں کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے.... میں نے اپنا نام غلط بتایا ہے"۔

"نہیں! میں نے یہ نہیں کہا۔ لیکن ہو سکتا ہے.... آپ نے
اپنا پورا نام نہ بتایا ہو"۔

"کیوں نہ ہم وہ کام کریں.... جس کا ہم نے اعلان کیا ہے....
لوگ ہمیں گھور رہے ہیں کہ یہ کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں"۔

"اوہ ہاں.... واقعی"۔

اور پھر وہ آگے بڑھے.... سام' انسپکٹر لالہ اور چند دوسرے لوگ
ان کے ساتھ ہو لیے.... ان میں ہوٹل کے چند گاہک بھی تھے.... باقی
لوگ ہال میں ہی رک گئے.... ہال میں رک جانے والوں میں سے ایک
نے کہا۔

"افسوس.... یہ تو گئے بے چارے کام سے"۔

"کیا مطلب؟" ہال میں موجود چند آدمی چونک کر بولے۔

"آپ لوگ سام کو نہیں جانتے.... لیکن میں جانتا ہوں"۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں بھئی؟"

"سام جیسے ظالم اور جلاد قسم کے آدمی شہر میں دو چار ہی ہوں
گے.... میری بات کو لکھ لیں.... اب یہ لوگ آپ کو زندگی میں کبھی نظر
نہیں آئیں گے.... میرا مطلب ہے.... وہ نوجوان اور لڑکا"۔

"کیا کہہ رہے ہیں؟" خوف زدہ آواز ابھری۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔۔۔ ابھی خود ہی دیکھ لو گے"۔
"آخر کیوں۔۔۔ وہ ان کے ساتھ کیا کرے گا؟"
"موت کے گھاٹ اتار دے گا۔۔۔ اور گڑھے میں گرا دے گا"۔
"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ ان کے ساتھ انسپکٹر پولیس بھی ہے۔۔۔ اور چند دوسرے لوگ بھی۔۔۔ ان کی موجودگی میں وہ یہ سب کیسے کر سکے گا"۔
"گاہک تو ابھی واپس آ جائیں گے۔۔۔ ان کے چند منٹ بعد انسپکٹر واپس آ جائے گا۔۔۔ اور اس کے ساتھ وہ مک مکا کر لے گا"۔
"یہ مک مکا کیا ہوتا ہے"۔ ایک گاہک نے حیران ہو کر کہا۔
"حیرت ہے۔۔۔ آپ نہیں جانتے۔۔۔ ہمارے ملک میں مک مکا کے کہتے ہیں"۔
"نہیں۔۔۔ میں یہاں نیا ہوں اور صرف اردو زبان جانتا ہوں۔۔۔ میں نے اردو ادب میں آج تک مک مکا کا لفظ نہیں سنا"۔
"بھائی اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہوٹل کا مالک سام، انسپکٹر پولیس سے سودا کر لے گا۔۔۔ وہ اپنا حصہ وصول کرے گا اور چپ چاپ واپس آ کر کہہ دے گا۔۔۔ تہ خانہ نہیں ملا۔۔۔ اور جب لوگ پوچھیں گے کہ وہ دونوں کیوں واپس نہیں آئے۔۔۔ تو بتا دے گا۔۔۔ وہ شرمندگی سے بچنے کے لیے ہوٹل کے پچھلے دروازے سے نکل گئے۔۔۔ اور اس بات کا عینی گواہ وہ خود ہو گا۔۔۔ یعنی ان کے نکل جانے کا۔۔۔ لہٰذا پولیس کی

طرح بھی مسٹر سام پر شک نہیں کر سکے گی"۔
"اوہ نہیں۔۔۔ نہیں"۔ ہال میں کوئی خوف زدہ انداز میں چلایا۔
لوگ اس کی طرف مڑے۔۔۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔۔۔ وہ بھی ایک لڑکا تھا۔۔۔ چہرے پر دہشت کے آثار نمایاں تھے۔
"کیوں۔۔۔ آپ کو کیا ہوا؟"
"میں یہ باتیں سن کر ڈر گیا ہوں۔۔۔ اس لیے کہ میں اس کا بھائی ہوں"۔ اس نے بتایا۔
"اگر آپ اس کے بھائی ہیں تو آپ اس کے ساتھ کیوں نہیں گئے تھے؟"
"م۔۔۔ میں۔۔۔ میں کیسے جاتا۔۔۔ اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں ہال میں موجود رہوں"۔
"تو اب تو آپ کو پتا چل گیا نا۔۔۔ کہ اندر کیا ہونے والا ہے۔۔۔ آپ جائیں اور انہیں بچانے کی کوشش کریں"۔ کسی نے کہا۔
"ہاہاہا۔۔۔ یہ بے چارہ بچائے گا۔۔۔ سام سے انہیں۔۔۔ سام دنیا کا بہترین نشانہ باز۔۔۔ بہترین لڑاکا۔۔۔ اور کتنے ہی ایوارڈ جیتنے والا انسان۔۔۔ یہ بے چارے کیا لڑیں گے اس سے"۔
"نن نہیں۔۔۔ میں تو خیر ویسے بھی اندر نہیں جا سکتا"۔
"آخر کیوں؟"
"اس لیے کہ میرے بھائی کی ہدایت یہی ہے"۔

"حد ہو گئی.... ارے بے وقوف.... اندر وہ ذبح ہو جائیں گے اور تم ہدایت کو لیے پھر رہے ہو"۔ کسی نے چیخ کر کہا۔

"کک.... کیا کیا جائے.... مجبوری ہے"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ اس میں مجبوری کیسی؟"

"ہم ایک دوسرے کی ہدایات کا بہت احترام کرتے ہیں۔۔۔ لہٰذا میں نہیں جاؤں گا"۔

"تب پھر تم اپنے بھائی کی شکل اب بھی نہیں دیکھ سکو گے"۔

"کک.... کیا واقعی؟"

"بالکل.... تو کیا اب تک تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔

"تب پھر چند منٹ انتظار کرو"۔

اور پھر آدھ گھنٹے بعد اندرونی دروازہ کھلا۔

○☆○

ہڑبونگ

منور علی خان باقی لوگوں کے ساتھ اندر پہنچے.... ادھر ادھر کا جائزہ لیا گیا.... آخر لڑکے نے ایک کمرے میں پہنچ کر پہلے تو کئی منٹ تک بغور دیکھا.... پھر کہا۔

"تہ خانہ اس کمرے کے فرش کے نیچے ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے.... اس کا راستا یہاں سے نکلے گا"۔

"تو پھر راستا تلاش کرو نا"۔ صام نے برا سا منہ بنایا۔

"او کے۔۔۔ میں تلاش کر دیتا ہوں.... لیکن پھر آپ برا نہ مانئے گا"۔ لڑکا مسکرایا۔

"کیا کہا.... برا نہ مانئے گا.... حد ہو گئی"۔ انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔

"کیا مطلب.... حد کیسے ہو گئی؟"

"ارے بھئی۔۔۔ اگر تہ خانہ مل گیا تو ان کی تو ہو جائے گی ایسی کی تیسی۔۔۔ بات صرف برا ماننے پر تو نہیں ختم ہو جائے گی.... پھر تو انھیں گرفتار کیا جائے گا.... ان پر مقدمہ چلے گا"۔

"نہیں چلے گا انسپکٹر صاحب"۔ صام مسکرایا۔

"کیوں.... کیوں نہیں چلے گا؟"

"کیا آپ میرے ہوٹل میں پہلی بار آئے ہیں؟"

"ہاں! یہ تو یہی بات.... میں اس شہر میں نیا آیا ہوں"۔

"اوہ.... تب تو ٹھیک ہے.... آپ کو بھلا میرے بارے میں کیا معلوم ہو سکتا ہے"۔

"ارے تو آپ بتا دیں نا"۔

"میرے بارے میں پہلے آپ اپنے آفیسر سے معلوم کر لیں.... وہ کیا کہتے ہیں.... کیونکہ ایسا نہ ہو کہ پھر آپ کو چھٹکارا حاصل نہ ہو سکے"۔

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"یہ آپ کو دھمکی دے رہے ہیں"۔ لڑکا بولا۔

"آپ چپ رہیں"۔ انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"بہت بہتر"۔ لڑکے نے فوراً کہا۔

"بلکہ آپ ہی خانہ تلاشی کریں"۔

"اس کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں"۔

"کیا مطلب؟" منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"تلاش کیے بغیر مجھے اس کا دروازہ نظر آ رہا ہے"۔

"کیا.... کیا کہا؟" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے.... مجھے نظر آ رہا ہے دروازہ"۔

"غلط.... بالکل غلط"۔ سام چلایا۔

"کہاں ہے وہ دروازہ انسپکٹر.... کیا آپ کو یہاں کوئی دروازہ نظر آ رہا ہے"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔

"اور مسٹر منور علی خان.... آپ کو؟"

"نہیں"۔ وہ بولے۔

"تو یہ لڑکا جھوٹ بول رہا ہے نا"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔ منور علی خان کہا۔

"کیا کہا.... نہیں بالکل نہیں"۔ سام چلایا۔

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے.... دروازہ اگرچہ ہمیں نظر نہیں آ رہا ہے.... لیکن اگر یہ صاحب زادے کہہ رہے ہیں تو پھر انہیں ضرور نظر آ رہا ہو گا"۔

"حد ہو گئی.... کہنے کو تو آپ ہیں مشہور شکاری اور باتیں کر رہے ہیں بچوں جیسی"۔

"ہر شکاری بچوں جیسی باتیں کرتا ہے.... جو شکاری بچوں جیسی باتیں نہ کرے.... وہ تو شکاری ہوتا ہی نہیں"۔

"پتا نہیں.... آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔ سام نے جھلا کر کہا۔

"آپ اس بات کو نہیں سمجھیں گے.... آپ اپنی بات کریں"۔

"کیا آپ لوگوں کو یہاں کوئی دروازہ نظر آ رہا ہے؟"

"نہیں.... بالکل نہیں"۔

"اور یہ صاحب زادے کہہ رہے ہیں کہ انھیں نظر آ رہا ہے"۔

"آپ دروازہ کھول کر دکھا دیں.... تاکہ سب کو معلوم ہو جائے.... کون سچا.... کون جھوٹا"۔

"اچھا"۔ لڑکے نے کہا اور ایک طرف بڑھا۔

اچانک دیوار میں ایک دروازہ نظر آنے لگا اور اس میں سے ٹھنڈک سی نکل کر کمرے میں آنے لگی۔

"یہ.... یہ.... یہ کیا؟" سب لوگ دھک سے رہ گئے.... ادھر سام کا منہ مارے حیرت کے کھلا ہوا تھا۔

"مسٹر سام.... یہ کیا ہے.... آپ تو کہہ رہے تھے کہ یہاں کوئی تہہ خانہ نہیں ہے"۔

"ہم ابھی بات کر لیتے ہیں"۔ یہ کہہ کر سام نے دروازہ بند کر دیا۔

بڑھتی ہوئی ٹھنڈک میں فوراً کمی واقع ہو گئی۔

"یہ دراصل ایک سرد خانہ ہے.... کولڈ سٹور.... کھانے پینے کی چیزیں اس میں محفوظ رہتی ہیں اور یہ کوئی غیر قانونی چیز نہیں ہے"۔

"اوہو.... تو آپ نے پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا کہ یہاں ایک کولڈ سٹور ہے.... پہلے تو آپ سرے سے تہہ خانے کے ہی انکاری تھے"۔

"یہ تہہ خانہ نہیں ہے.... کولڈ سٹور ہے"۔

"یہ جو کچھ بھی ہے.... اگر اس میں مردہ جانوروں کا گوشت ہے تو آپ مجرم ہیں"۔ انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"پہلے آپ فون پر اپنے آفیسر سے بات کر لیں"۔

"مجھے ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں.... پہلے ہم اس کولڈ سٹور کو دیکھیں گے"۔

"نہیں.... ایسا نہیں ہو گا"۔ سام بولا۔

"کیا مطلب.... کیسا نہیں ہو گا؟"

"یہ آپ کا حصہ ہے.... اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہزار روپے کے نوٹوں والے دو پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ.... یہ.... یہ کیا؟"

"آپ کا صرف اس وقت کا حصہ.... اب آپ کو ہر ماہ حصہ ملا کرے گا"۔

"لل.... لیکن کس بات کا؟"

"مردار گوشت کا حصہ"۔

"کیا.... کیا کہا.... آپ واقعی مردار گوشت پکاتے ہیں؟"

"ہاں! اس میں شک نہیں"۔

"ارے باپ رے.... میں نے ابھی ابھی دو پلیٹ گوشت کھایا ہے"۔ انسپکٹر چلا اٹھا اور لگا ابکائیاں کرنے۔

"حد ہو گئی.... انسپکٹر صاحب.... وہ تو آپ کے پیٹ میں جا

چکا... آپ نوٹ پکڑیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں... باہر موجود لوگوں سے کہہ دیں... کہ یہ لوگ مارے شرمندگی کے پچھلے دروازے سے ہوٹل سے چلے گئے ہیں... کیونکہ یہاں کوئی نہ خاتہ نہیں ملا... صرف اتنا کہنے کے لیے میں آپ کو یہ دو پیکٹ دے رہا ہوں"۔

"اور... اور آپ ان کا کیا کریں گے؟" انسپکٹر نے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپ کو اس سے کیا"۔

"نہیں... پہلے بتائیں"۔

"ابھی میں ان کا چار ڈالوں گا... لوگوں کو کھلاؤں گا... اس سے پہلے بھی میں نے بہت سے لوگوں کا اچار ڈالا ہے... کھلاؤں آپ کو بھی"۔

"نن نہیں... نہیں... نہیں"۔ انسپکٹر چلا اٹھا۔

"بس تو آپ چلتے پھرتے نظر آئیں"۔

"نہیں... میں کسی انسان کے قتل میں حصے دار نہیں بن سکتا۔ یہ پیکٹ آپ رکھیں... مجھے ان کی ضرورت نہیں"۔

"تب پھر آپ کے آفیسر صلاہی صاحب بات کریں گے ابھی اور اسی وقت... اگر تم نے ان سے بات نہ کی تو زندگی بھر پچھتاؤ گے"۔ سام کا لہجہ بدل گیا... سرد ہو گیا۔

"کیا مطلب... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ لیں... میرے بارے میں معلوم کر لیں... کہیں غلط فہمی میں مارے نہ جائیں' آپ... اب یہاں سے نہیں جا سکتے... جائیں گے تو میری شرط مان کر"۔

"مم... میں... میں سمجھا نہیں"۔

"اپنے چاروں طرف دیکھ لیں؟"

اس نے خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھا... اسے چاروں طرف پستول اپنی طرف تنے نظر آئے... اب کمرے میں دس آدمی ہوٹل کے بھی موجود تھے... وہ کب غیر محسوس انداز میں داخل ہوئے... اسے پتا ہی نہ چلا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے؟"

"ایک طرف دو نوٹوں کے پیکٹ ہیں یعنی دو لاکھ روپے... اور دوسری طرف موت ہے"۔

"عقل مند آدمی... تم ان کا کیا کرو گے... یہ جو ہوٹل کے گاہک ساتھ اندر آ گئے ہیں"۔ انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔

"ان کی بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں... ان سے بات میں خود کر لوں گا... آپ اپنی بات کریں"۔

"پہلے میں اپنے آفیسر سے بات کروں گا"۔

"ہاں ضرور... یہ ہوئی نا بات"۔ سام مسکرایا۔

اور پھر اس نے خود نمبر ملا کر اسے موبائل تھما دیا۔

"ہاں.... بتائیں.... کیا بات ہوئی مسٹر سام"۔ دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔

"سر! یہ میں ہوں.... انسپکٹر تنویر"۔

"ابھی ابھی تو سلسلہ ملنے پر میں نے مسٹر سام کی آواز سنی تھی"۔

"ہاں سر.... یہ بھی یہیں موجود ہیں.... یہاں ایک خوفناک صورت حال ہے.... میں ان حالات میں کیا کروں؟"

"تم صرف وہ کرو.... جس کا تمہیں مسٹر سام حکم دیں"۔

"کیا کہہ رہے ہیں سر.... یہ چند آدمیوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں.... ساتھ میں مجھے بھی"۔

"ارے تو تم کیوں قتل ہوتے ہو بے وقوف.... ان کی بات مان لو.... اور رقم لے کر چلے آؤ.... اور مسٹر سام سے میرا حصہ بھی لانا نہ بھولنا"۔

"سر.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.... یہ چند لوگوں کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے"۔

"ہو گا.... ہمیں کیا.... ہم تو لاشیں ملنے کے بعد کارروائی کریں گے نا.... اور ابھی تک ہمیں کوئی لاش نہیں ملی.... پھر ہم کیا کریں"۔

"آپ کو اطلاع مل چکی ہے سر.... کہ یہاں کیا خونی کھیل کھیلا جانے والا ہے"۔

"تو تم اس خونی کھیل میں کیوں شریک ہوتے ہو.... فوراً" میرے پاس چلے آؤ"۔

"نہیں سر.... یہ نہیں ہو سکتا.... میں نے آج تک رشوت نہیں لی اور پھر یہاں تو انسانی جانوں کا معاملہ ہے.... اس قدر خوفناک جرم کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا.... نہیں سر"۔ وہ چلا اٹھا۔

"اچھا ٹھیک ہے.... تم ریسیور مسٹر سام کو دے دو"۔

انسپکٹر نے لرزتے ہاتھوں سے فون سام کو دے دیا.... سام نے اس آفیسر کی بات سن کر کہا۔

"ٹھیک ہے مسٹر صلابی ایسا ہی ہو گا"۔ اس نے کہا اور فون بند کر دیا.... اب اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ ناچنے لگی۔

"پتا ہے.... آپ کے آفیسر مسٹر صلابی نے کیا کہا ہے؟"

"مجھے کیا پتا"۔

"یہ کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اب اس بے وقوف انسپکٹر کو بھی ہلاک کرنا ہو گا"۔

"اوف.... نہیں.... نہیں"۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"اب مجبوری ہے.... آپ نے میری پیشکش نہیں مانی.... اپنے آفیسر کا حکم نہیں مانا.... اب اگر میں آپ کو جانے دیتا ہوں تو آپ تو فوراً مزید پولیس لے کر آئیں گے اور مجھے گرفتار کر لیں گے.... میرے ساتھیوں کو گرفتار کر لیں گے.... اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا"۔

انسپکٹر نے خوف زدہ نظروں سے اس لڑکے کی طرف دیکھا۔
"یہ تم نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا؟"
"آپ تو مصیبت سے نکل آئے ہیں... آپ کی ایمانداری نے
مجھے بہت خوشی ہوئی ہے"۔ لڑکا بولا۔
"لیکن اب یہ ایمان داری میرے کس کام آئے گی؟" انسپکٹر
تنویر نے لرزتی آواز میں کہا۔
"ایمان دار انسان کے کام نہیں آئے گی تو کس کے کام آئے
گی"۔
"آخر کیسے... میرے چاروں طرف پستول تنے ہیں... ان کے ارادے
ہرگز ہمیں چھوڑنے کے نہیں ہیں... ان حالات میں ہم کیا کر سکتے
ہیں"۔
"صبر... شکر... اور انتظار"۔ لڑکا بولا۔
"انتظار... کس بات کا؟"
"پیش آنے والے حالات کا"۔
"پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔
"بس... یہی کہ آپ فکر نہ کریں"۔
"اچھا... اب آپ کریں... جو کرنا ہے... اب میرے فکر
کرنے نہ کرنے سے بھی کچھ نہیں ہو گا"۔ انسپکٹر تنویر نے لڑ کھڑاتے
ہوئے کہا۔

"مسٹر منور علی خان... آپ کو کچھ لڑائی بھڑائی کا بھی تجربہ ہے یا
نہیں"۔
"ارے بھائی... میں تو ہاتھوں سے لڑتا ہوں... یہ تو ہیں ہلکے
پھلکے انسان"۔ وہ ہنسے۔
"ہاں... لیکن... ان ہلکے پھلکے انسانوں کے ہاتھوں میں پستول
ہیں... جو کافی بھاری ہیں"۔
"ہاں ان کا مسئلہ ٹیڑھا ہے... ہم دو کے لیے... اتنے پستول...
آپ لوگ ہاتھوں اور پیروں سے نہیں لڑ سکتے"۔
"ہاں! کیوں نہیں... آپ کی اس خواہش کا میں احترام کر لیتا
ہوں... پستول جیبوں میں رکھ لو بھئی... اور ہاتھوں پیروں سے ان کی
مرمت کرو"۔
"او کے سر... یہ اور مزے دار رہے گا"۔ ایک نے خوش ہو کر
کہا۔
اب ان سب نے پستول جیبوں میں رکھ لیے اور ان کی طرف
بڑھے۔
"میں تو خیر ان کا مقابلہ کر لوں گا... لیکن بچے... آپ کیا کریں
گے"۔ منور علی خان بولے۔
"آپ میری فکر نہ کریں"۔
"اور انسپکٹر تنویر صاحب... آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں آپ کے ساتھ ہوں.... ان سے لڑوں گا"۔ اس نے کہا۔

"بہت خوب! آج کے دور میں آپ ایک اچھے پولیس آفیسر ہیں"۔

"مجبوری کی وجہ سے.... ایمان داری پر اتر آیا ہے"۔ سام ہنسا۔

"وہ نہیں.... ان کے لیے یہ زیادہ آسان تھا کہ آپ کی بات مان لیتے؛ دو لاکھ روپے مل رہے تھے.... لیکن انہوں نے وہ ٹھکرا دیے.... اپنے آفیسر کا حکم بھی نہیں مانا.... ایسے آفیسر کی تو ہمیں قدر کرنی چاہیے"۔

"اب اگلے جہان جا کر قدر کرنا"۔ سام بولا۔

اتنے میں اس کے آدمی ان کے سروں پر پہنچ گئے.... منور علی خان نے ایک چھلانگ لگائی اور ان کے دوسری طرف پہنچ گئے.... انہیں اس طرح اچھلتے دیکھ کر لڑکے نے بھی چھلانگ لگائی.... اور ان کی مخالف سمت میں نظر آیا۔

انسپکٹر تنویر نے حیرت زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا.... دشمنوں کے سامنے وہ رہ گیا تھا.... اپنے سامنے دس کے قریب طاقتور غنڈوں کو دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا.... لیکن پھر بھی اس نے اس طرح پوزیشن لی جیسے باقاعدہ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہو.... ایسے میں منور علی خان اور وہ لڑکا ان پر ٹوٹ پڑے.... اور ان کی ہڑبونگ مچا کر رکھ دی.... ان کے ہاتھ پیر بجلی کی طرح چل رہے تھے۔

یہ دیکھ کر انسپکٹر تنویر کو بھی جیسے ہوش آگیا اور ہوش کے ساتھ جوش آگیا.... وہ بھی ان سے بھڑ گیا.... اب حیران ہونے کی باری سام کی تھی.... لمحہ بہ لمحہ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو پستول جیب میں رکھنے کا حکم دے کر غلطی کی تھی.... اچانک اس کی آواز ابھری۔

"بند کرو یہ دھینگا مشتی.... آخر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خود کو تھکائیں.... ہٹ جاؤ ایک طرف.... ان کے لیے تو میرا ایک پستول کافی ہے"۔

انہوں نے چونک کر دیکھا.... اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک پستول چمک رہا تھا.... انگلی گویا ٹریگر پر زور دینے کے لیے تیار تھی اور وہ اپنے ساتھیوں کے الگ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر جونہی وہ ایک طرف ہوئے.... اس نے ایک فائر منور علی خان پر جھونک دیا۔

○☆○
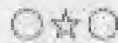
برے پھنسے

منور علی خان تڑپ کر گرے..... سام نے قہقہہ لگایا۔

"یہ کیسی رہی؟" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"بہت اچھی"۔ منور علی خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہ! یہ کیا؟" سام دھک سے رہ گیا۔

"اب آپ بتائیں مسٹر سام! یہ کیسی رہی؟" لڑکا ہنسا۔

"اوہ ہاں..... واقعی..... تم لوگ عجیب ہو..... خیر..... میں اپنا پستول تو اب خالی کروں گا"۔ اس نے منہ بنایا۔

"ضرور..... ضرور..... شوق فرمائیں"۔ منور علی خان مسکرائے۔

اور پھر اس نے اپنا پستول ان دونوں پر خالی کر دیا..... ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا..... ایسے میں منور علی خان کی سرد آواز گونجی۔

"اب تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو..... ورنہ پھر میری باری آئے گی..... شوق فرمانے کی"۔

انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"مسٹر تنویر..... آپ کے شکار حاضر ہیں"۔

"اوہ ہاں! مجھے انہیں گرفتار کرنا ہے"۔

"کیا فائدہ..... ادھر آپ انہیں پولیس اسٹیشن لے جائیں گے، ادھر ان کے سفارشی صاحب آپ کو فون کریں گے..... انہیں چھوڑ دیا جائے"۔

"نہیں وہ انسپکٹر نہیں"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ جب تک وہ تحریری حکم نہیں دیں گے..... میں انہیں چھوڑوں گا..... اور اس وقت تک میں ان کے خلاف پرچہ تو کاٹ ہی چکا ہوں گا..... لہٰذا انہیں عدالت میں کھینچوں گا"۔

"اور اگر آپ کے آفیسر نے ویسے ہی آپ کا تبادلہ کر دیا یہاں سے"۔

"اوہ ہاں! وہ یہ گر آزما سکتے ہیں"۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"بس تو پھر جو ہم کہیں وہ کریں آپ"۔

"اور میں کیا کروں؟"

"انہیں اسی ذبح خانے میں دھکا دے دیں..... یہ روزانہ دوسروں کو مردار گوشت کھلواتے رہے ہیں..... اب اس ذبح خانے میں اپنی زندگی بچانے کے لیے کچا مردار گوشت کھا کھا کر پیٹ بھریں گے..... اور وہ بھی کب تک..... آخر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے..... کیونکہ گوشت

کھانے کے بعد پانی پینے کی بھی ضرورت ہے.... اور اس نے تہ خانے میں پانی کا نل تو لگایا نہیں ہوگا"۔

"نن نہیں.... نہیں.... تم ایسا نہیں کر سکتے"۔ سام چلایا۔

"پہلے تو آپ بتائیں.... ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے"۔

"آپ باہر جا کر کیا بتائیں گے"۔

"یہی کہ تم لوگ پچھلے دروازے سے نکل گئے"۔ لڑکا ہنسا۔

"پپ.... پاگل تو نہیں ہیں آپ"۔ منور علی خان نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا۔

"پپ.... پتا نہیں"۔ لڑکا فوراً بولا۔

"کیا کہا.... پتا نہیں.... کس بات کا پتا نہیں؟"

"اس بات کا کہ میں پاگل ہوں یا نہیں.... اور میرا خیال ہے اس بات کا پتا تو کسی کو بھی نہیں ہوتا"۔

"کس بات کا پتا" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس بات کا کہ وہ پاگل ہے یا نہیں"۔

"تم کچھ عجیب سی باتیں کر رہے ہو دوست.... ایسی باتیں تو میرے دوستوں کے بچے کرتے ہیں"۔

"آپ کن کی باتیں کر رہے ہیں"۔

"انسپکٹر جمشید.... انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچے اور شوکی برادرز کی"۔

"اوہ.... تو کیا آپ تک ان کے بارے میں اطلاعات نہیں پہنچیں"۔

"کک.... کیسی اطلاعات"۔

"وہ سب کے سب مارے جا چکے ہیں.... آپ یہ تفصیلات اخبارات میں دیکھ سکتے ہیں"۔

"نہیں.... نہیں"۔ وہ چلائے۔

"یہ ٹھیک ہے"۔ سام نے زہریلے انداز میں کہا۔

"تم نے یہ بات بہت نفرت زدہ انداز میں کی.... خیر تو ہے"۔

"مجھے ان سے نفرت تھی.... کئی بار انہوں نے میرے ہوٹل پر چھاپہ مارا اور مجھے گرفتار کر لیا.... اب جب کہ وہ مارے جا چکے ہیں تو مجھے کسی کا خوف نہیں رہا.... لیکن حیرت اس لڑکے پر ہے.... اس نے اس قدر جلد تہ خانہ کس طرح تلاش کر لیا"۔

"ایسے کام میں چٹکی بجاتے میں کر لیتا ہوں"۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"اب ان کا کیا کرنا ہے؟" منور علی خان بولے۔

"وہی تہ خانہ.... چلو بھئی.... تم اپنے پیروں پر چلتے ہوئے تہ خانے میں اتر جاؤ"۔

"نہیں نہیں.... ہم خود کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

"وہاں تمہارے حمایتی تمھیں چھڑانے کے لیے تیار ہیں"۔ ا

بولا۔

منور علی خان نے پھر اسے گھورا۔

"اب آپ مجھے کیوں گھورنے لگے؟"

"تت... تم کون ہو؟"

"مم... میں... میں احمد ہوں... بتایا تو ہے آپ کو"۔

"اور ہاں واقعی... بتایا تو تھا تم نے"۔

"میرا خیال ہے... ہم قانونی طریقہ اختیار کرتے ہیں... اس کے بعد جو ہو گا' دیکھا جائے گا"۔ انسپکٹر تنویر نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"انھیں گرفتار کر کے لے جاتے ہیں... پھر حالات کا مقابلہ کریں گے... آپ میرے ساتھ چلیں"۔

"سرکاری آفیسرز کے مقابلے میں ہماری کیا چلے گی بھلا"۔

"آپ گواہی تو دیں گے... مسٹر صلاتی کو بتا تو سکیں گے"۔

"اچھی بات ہے... ایسا ہی کر لیتے ہیں"۔

اور پھر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں... انھیں ساتھ لیے جب وہ ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے تو لوگ اچھل کر کھڑے ہو گئے... ان کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت دوڑ گئی۔

"ارے یہ کیا... یہ تو انسپکٹر صاحب نے انھیں گرفتار کر لیا

ہے"۔

"ہاں جناب... اندر واقعی تہ خانہ موجود ہے... اور اس میں بوار گوشت کا ذخیرہ موجود ہے... آپ سب لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں...

ارے ہاں... وہ مارا"۔ لڑکا اچھل پڑا۔

"اب تم نے کیا مار لیا دوست"۔

"ترکیب؟" اس نے فوراً کہا۔

"حد ہو گئی... انھوں نے برا سا منہ بنایا۔

"جی ہاں! وہ تو ہوتی ہی رہتی ہے... حد کا کام ہی کیا ہے...

ہونا"۔

"یار تم تو کر دو گے مجھے پاگل... کہیں تم میں فاروق کی روح تو نہیں گھس آئی؟"

"فاروق... یہ آپ کس فاروق کی بات لے بیٹھے"۔

"جن کے بارے میں تم نے بتایا ہے کہ وہ مارے جا چکے ہیں"۔

"آپ پچھلے اخبارات دیکھ لیں... ہوٹل کے ہیڈ بیرے سے نکلوا لیں... مسٹر سام... ہیڈ بیرے کو ہدایات دیں"۔

"اچھا"۔ اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا... پھر چونک کر بولا۔

"لیکن ہم تو پولیس اسٹیشن جا رہے ہیں؟"

"ہاں وہاں بھی جا رہے ہیں... لیکن کچھ دیر بعد"۔

"اچھا خیر" اس نے کہا اور ایک بیرے کو اشارہ کیا... وہ اس

کے نزدیک آ گیا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں.... میں ابھی واپس آ جاؤں گا"۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے سر.... لیکن اب ہوٹل کا کیا ہو گا؟"

"کپڑے کی مارکیٹ بنا لیں گے اس کو.... کپڑا تو مردار گوشت سے تیار نہیں ہوتا نا"۔

"اوہ اچھا"۔ اس نے کہا اور چلا گیا۔

ادھر لڑکے نے کاؤنٹر کا رخ کیا اور جلدی جلدی فون کرنے لگا۔ اس نے پانچ چھے جگہ فون کیے.... اور پھر ان کے پاس آ گیا.... ادھر یہ اخبارات اٹھا لایا۔

"کیا خیال ہے.... ان اخبارات کو ساتھ ہی لے چلتے ہیں.... یہاں رک کر کیا کریں گے؟" سام بولا.... وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ ادھر اس کے گاہک اٹھ اٹھ کر جا رہے تھے.... ان سے کوئی بل کا مطالبہ کرنے والا نہیں رہا تھا وہاں.... یوں بھی مردار گوشت کا بل کون مانگتا۔ اور پھر وہاں دس بارہ آدمی اندر داخل ہوئے.... یہ سب کے سب اخباری رپورٹر تھے.... اس لڑکے نے دراصل انہی کو فون کیا تھا۔ ان کے آتے ہی ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے کس نے فون کیا تھا؟"

"میں نے"۔ لڑکے نے آگے بڑھ کر کہا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام احمد ہے.... میں ان کا ساتھی ہوں.... آپ انہیں تو ضرور جانتے ہوں گے"۔

"ارے یہ.... یہ تو دنیا کے مشہور شکاری منور علی خان ہیں"۔

"جی ہاں.... انہوں نے اور میں نے مل کر اس ہوٹل میں ایک تہ خانہ دریافت کیا ہے.... اس تہ خانے میں مردار گوشت کا ایک ذخیرہ موجود ہے"۔

"کیا"۔ وہ چلائے۔

"آپ خود آنکھوں سے دیکھ لیں.... اور اس تہ خانے میں زندہ انسانوں کو قید بھی کیا جاتا رہا ہے.... بلکہ قید میں جب وہ لوگ مر جاتے ہیں تو یہ انہیں گٹر میں بہاتے رہے ہیں"۔

"نن نہیں"۔ وہ چلائے۔

"یہ جھوٹ ہے.... بکواس ہے.... ان دونوں کی سازش ہے"۔

"ہائیں.... تو کیا یہ مردار گوشت خود اپنے کندھوں پر لاد کر لائے تھے؟" ایک اخباری نمائندے نے کہا۔

سام ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا، مسٹر سام"۔

"جواب.... ہاں ضرور کیوں نہیں.... جواب بھی دوں گا.... پہلے انہیں اپنی کارروائی کرنے دیں.... پھر میں آپ سب کو جواب دوں گا....

جس اخبار نے بھی میرے خلاف کچھ لکھا۔۔۔ کل اس کا انجام سب دیکھیں گے"۔

"یہ تو دھمکی ہے۔۔۔ صاف دھمکی"۔ ایک رپورٹر بولا۔

"ہاں! یہ دھمکی ہے۔۔۔ اس کو بھی نوٹ کر لیں۔۔۔ تم سب مل کر میرا بال بیکا نہیں کر سکو گے"۔

"ہمیں آپ کا بال بیکا کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔ کیا خیال ہے؟؟"

"حد ہو گئی"۔ سام نے چلا کر کہا۔

"وہ تو خیر ابھی اور ہو گی۔۔۔ آپ لوگ پہلے تو ذبح خانے کا معائنہ کر لیں۔۔۔ آئیے ہم دکھاتے ہیں آپ کو۔۔۔ انسپکٹر صاحب۔۔۔ آپ ان کا خیال رکھیے گا۔۔۔ یہ فرار ہونے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں"۔

"اس صورت میں انہیں شوٹ کر دوں گا"۔ انسپکٹر تنویر نے کہا۔

"نہ۔۔۔ نہ۔۔۔ آپ ایسا نہ کریں"۔ ایک رپورٹر بولا۔

"کیوں جناب۔۔۔ اگر یہ بھاگنے کی کوشش کریں تو میں ایسا کیوں نہ کروں"۔

"اس لیے کہ اس طرح آپ خود مصیبت میں گھر جائیں گے"۔

"کوئی پرواہ نہیں"۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اور پھر وہ سب ذبح خانہ دیکھنے چلے گئے۔۔۔ انہوں نے ذبح خانے کی تصاویر بھی لیں اور باہر آ گئے۔

"اندر ذبح خانے میں تو واقعی مردار گوشت موجود ہے۔۔۔ اب آپ کیا کہتے ہیں؟؟"

"آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔ وہ بالکل تازہ گوشت ہے"۔ سام مسکرایا۔

"کیا کہا۔۔۔ وہ گوشت تازہ ہے"۔

"ہاں بالکل"۔

"تب پھر اب یہاں ڈاکٹر حضرات کو بلایا جائے گا۔۔۔ انسپکٹر صاحب۔۔۔ کیا آپ کسی سرکاری ڈاکٹر کو یہاں بلا سکتے ہیں"۔

"فون کر دیتا ہوں"۔

"نہیں۔۔۔ ایک منٹ ٹھہریں۔۔۔ میں فون کرتا ہوں"۔ لڑکا بولا۔

پھر ڈاکٹر صاحب وہاں پہنچ گئے۔۔۔ انہوں نے گوشت کا معائنہ کیا اور بولے۔

"یہ تو مردار گوشت ہے"۔

"آپ سرٹیفیکیٹ لکھ دیں"۔

"بہت بہتر"۔

"سوچ سمجھ کر سرٹیفیکیٹ لکھیے گا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب"۔ سام نے ڈاکٹر کو بھی دھمکی دی۔

"کیا مطلب... کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"
"بالکل... کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے"۔ سام ہنسا۔
"یہ... آپ لوگ دیکھ رہے ہیں"۔ ڈاکٹر نے سہم کر کہا۔
"جی ہاں! لیکن آپ فکر نہ کریں... کھسیانی بلی کھمبا نہیں نوچے گی تو اور کیا کرے گی... یہ بے چارے کچھ کرنے کے قابل نہیں... بس دھمکیاں دینے کے قابل رہ گیا ہے"۔
"اوہ اچھا خیر... یہ رہا سرٹی فکیٹ... کیا اب میں جا سکتا ہوں... مجھے بہت مریض دیکھنے ہیں"۔ وہ بولا۔
"ہاں ضرور"۔
"لیکن کل اپنی حفاظت کر لینا"۔ سام بولا۔
"کیا مطلب؟"
"کل میں تمہارے پاس آؤں گا... اور اس وقت تم سے آٹے دال کا بھاؤ پوچھوں گا"۔
"اس کے لیے کل آنے کی کیا ضرورت ہے... ابھی پوچھ لیں... ایک دن میں کوئی اتنے بھاؤ تھوڑی چڑھ جائیں گے"۔
"سمجھ لوں گا... بس حوالات پہنچنے کی دیر ہے... ادھر میں وہاں پہنچوں گا... ادھر میری رہائی کے احکامات آپ کو مل جائیں گے"۔
"وہ ایسا کون سا مجسٹریٹ ہے... جو آپ کی ضمانت لے گا... بغیر دیکھے اور پوچھے کہ تمہارا جرم کیا ہے... تم پر الزام کیا ہے"۔

"ایسے بے شمار مجسٹریٹ اور جج ہیں"۔
"بھئی اس کی باتیں بہت لمبی چوڑی ہیں... میرا مطلب ہے... ڈینگیں بہت ہانک رہا ہے"۔
"اس کی ڈینگیں نکل جائیں گی... آپ فکر نہ کریں"۔ انسپکٹر تنویر نے کہا۔
اور آخر کار وہ وہاں سے پولیس اسٹیشن پہنچے... لیکن وہ لمحہ بھی انہیں چونکا دینے کے لیے کافی تھا... وہاں ایک مجسٹریٹ چند آدمیوں کے ساتھ خود موجود تھا۔
"مسٹر سام کی ضمانت ہو چکی ہے... آپ فوراً ان کی ہتھکڑیاں کھول دیں"۔
"کس نے ضمانت لی اور کس سلسلے میں؟" لڑکا بولا۔
منور علی خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا... ان کا دل دھک دھک کرنے لگا... ویسے راستے میں وہ اخبارات پڑھ چکے تھے... ان میں ان کے مرنے کی خبریں واضح طور پر درج تھیں... لیکن یہ خبریں پڑھ کر وہ ذرا بھی فکرمند نہیں ہوئے تھے... کیونکہ ایسی خبریں وہ پہلے بھی بہت مرتبہ پڑھ چکے تھے۔
"حد ہو گئی یعنی کہ"۔ مجسٹریٹ نے بھنا کر کہا۔
"کیوں جناب! یہ حد کس سلسلے میں ہو گئی؟" لڑکا بولا۔
"آخر یہ ایسا کون سا کیس ہے... جس میں ضمانت نہیں لی"

سکتی تھی"۔

"پہلے آپ سن لیں"۔

"آپ کچھ نہ سنیں سر.... تعمیل کروائیں.... اب یہ مجھے ایک منٹ بھی گرفتار نہیں رکھ سکتے"۔

"یہ کاغذات وصول کریں.... اور ہتھکڑیاں کھول دیں.... ورنہ یہ پر توہین عدالت کا کیس بن جائے گا"۔

"آپ دوسرے فریق کی بات سنے بغیر کس طرح ضمانت لے سکتے ہیں؟"

"میں لے سکتا ہوں.... سینئر مجسٹریٹ ہوں"۔ وہ چلا اٹھا۔

عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی.... انہوں نے دیکھا' ایک لمبا چوڑا پولیس آفیسر چلا آ رہا تھا.... اس کے چہرے پر غصہ ہی غصہ تھا۔

"یہ یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے.... ارے.... یہ کیا.... مسٹر سام.... آپ کے ہتھکڑیاں کس نے لگائیں"؟

"اس نے.... آپ کے انسپکٹر نے"۔

"کھولو.... جلدی"۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"آپ کی تعریف؟" لڑکا پرسکون انداز میں بولا۔

"ارے.... تم انہیں نہیں جانتے.... یہ ہیں مسٹر صلابی.... میرے آفیسر.... ڈی ایس پی صاحب"۔

"اوہ اچھا.... مسٹر صلابی کیا آپ کو ان لوگوں کا جرم معلوم ہے؟"

"نہیں.... اور نہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے.... میں تو بس ایک کام جانتا ہوں کہ آپ انہیں فوراً رہا کر دیں"۔

"او کے سر.... آپ تحریر لکھ کر دے دیں"۔

"اس کی ضرورت نہیں.... ان کی ضمانت ہو چکی ہے.... اور یہ اب انہیں گرفتار رکھ ہی نہیں سکتے"۔ مجسٹریٹ نے فوراً کہا۔

صلابی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا.... پھر خوش ہو کر بولا۔

"بہت خوب.... یہ اچھی بات ہے"۔ صلابی ہنسا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہی کہ ہم انہیں ابھی بھی نہیں چھوڑیں گے"۔ احمد بولا۔

جب کہ تنویر اب پریشان ہو چکا تھا.... اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں"۔ احمد نے اسے تسلی دی۔

اور پھر لڑکے نے کسی کے نمبر ملائے۔

"یہ آپ کسے فون کر رہے ہیں؟"

"آئی جی صاحب کو"۔

"وہ کیا کر لیں گے.... ضمانت عدالت لی ہے"۔

"کوئی بات نہیں.... حالات تو ان کے سامنے آ جائیں گے نا"۔

"اچھی بات ہے"۔

اور آخر کار وہاں آئی جی صاحب بھی آ گئے... انھوں نے حیران

ہو کر منور علی خان کو دیکھا۔

"مسٹر منور علی خان... آپ... لیکن مجھے فون تو غالباً"...

"میں نے کیا تھا جناب"۔ احمد نے فوراً کہا۔

"نہیں... وہ تو فون آپ نے تو خیر ہرگز نہیں کیا تھا؟" آئی جی

حیران ہو کر بولے۔

"تب پھر کس نے کیا تھا؟" لڑکا بولا۔

"میرے ایک واقف نے... خیر... اس بات کو چھوڑیں... یہاں

معاملہ کیا ہے؟"

سارا معاملہ ان کے سامنے لایا گیا... وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

پھر مجسٹریٹ کی طرف مڑے۔

"کیا آپ کا طریقہ درست ہے جناب؟"

"بالکل"۔ اس نے کہا۔

"اوکے... انھیں رہا کر دیا جائے"۔

"وہ مارا"۔ صام چلایا۔

"یہ آپ نے کیا کہا سر؟" منور علی خان بولے۔

"ہم عدالت کا احترام کریں گے"۔ آئی جی بولے۔

"جو آپ کا حکم"۔

اور ان کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں... پھر وہ تھانے سے نکل

لگائے... آئی جی صاحب نے منور علی خان ہاتھ تھام رکھا تھا... باہر آ کر

وہ ان کی طرف مڑے... اور بولے۔

"آپ نے مجھے فون کیا تھا؟"

"جی ہاں"۔ احمد نے کہا۔

"تب تم فاروق ہو"۔

"جی... فاروق... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

"بالکل یہی بات کہنے کو میرا جی چاہ رہا تھا"۔

"اور میں فاروق کی آواز سن کر ہی تو دوڑا آیا ہوں"۔ آئی جی

مسکرائے۔

"آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"اگر اس میں کوئی مصلحت ہے... تو خیر ہے"۔

"میں اپنے ہوٹل جا رہا ہوں... آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"اب ہم اس ہوٹل میں کس طرح جا سکتے ہیں"۔ منور علی خان

بولے۔

"ہاں! یہ بھی ہے... آخر کھائیں گے کیا؟"

"ہوٹلوں کے گوشت... ہم پہلے ہی نہیں کھاتے... دال اور

سبزی کھاتے ہیں"۔ لڑکا بولا۔

"میں کیا کروں؟" آئی جی بولے۔

"آپ دفتر چلیں"۔

"سام بہت خطرناک ہے.... بڑے بڑے لوگ اس کی پشت پر ہیں.... لہٰذا آپ لوگوں کو بچ کر رہنا ہو گا.... رہا ہونے کے بعد وہ سیدھا ہوٹل جائے گا.... لہٰذا اس کے ہوٹل کا رخ تو ہرگز نہ کریں"۔

"بہت بہتر.... لیکن ہمیں وہاں سے اپنا سامان تو لینا ہو گا"۔

"گولی مارو سامان کو.... اب ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں"۔

"اچھا.... ہم کسی اور ہوٹل میں جا رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا.... بلکہ میں تو کہتا ہوں.... آپ لوگ میرے ہاں چلے چلیں"۔

"شکریہ سر.... یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں.... ہمیں اپنا کام کرنا ہے"۔

"اچھا خیر"۔

اور وہ چلے گئے۔

"اب ہم کیا کریں؟"

"ہم ہوٹل البرانو میں جائیں گے.... اپنا سامان نہیں چھوڑ سکتے"۔ منور علی خان بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

وہ ہوٹل میں داخل ہوئے.... فوراً" ہی ان پر ایک جال گرا۔

وہ جال میں الجھ کر رہ گئے.... ساتھ ہی انہوں نے سام کا قہقہہ سنا۔

"آ گئے نا جال میں.... میں جانتا تھا.... تم دونوں واپس ضرور

گے"۔

"کوئی بات نہیں"۔

"اب بھی تو وہی تہ خانہ مقدر بنا آپ کا"۔

"اللہ مالک ہے"۔

"اب میں مزید مہلت نہیں دے سکتا.... انہیں.... ان لوگوں کو فوراً" جال سمیت تہ خانے میں ڈال دو"۔ اس نے حکم دیا۔

بیروں نے انہیں جال سمیت اٹھایا اور تہ خانے کی طرف چلے۔

"برے پھنسے"۔ منور علی خان بولے۔

"کوئی بات نہیں"۔

"اب بھی تم یہ کہہ رہے ہو کہ کوئی بات نہیں"۔

"اب میں اور کیا کہوں"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں شک نہیں.... کہ تم ایک دلیر اور بہادر لڑکے ہو.... کاش تم فاروق ہوتے"۔

"آپ بار بار فاروق کا نام لے رہے ہیں.... یہ چکر کیا ہے؟" لڑکا بولا۔

"تہ خانے میں چل کر بتاؤں گا"۔ منور علی خان مسکرائے۔

"کیا بتائیں گے؟"

"فاروق کے بارے میں اور کیا"۔

"جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل

ہے"۔

"کیا واقعی... آخر تم ہو کیا؟"

"چلئے... ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں ہوں کیا"۔

جونہی وہ تہ خانے میں داخل ہوئے... زور سے اچھلے۔

○☆○

پھر دھماکا

کمرے میں ایک عجیب سا آدمی بیٹھا تھا... اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی... سام اسے دیکھ کر غرایا۔

"کون ہو تم... اور یہاں کیا کر رہے ہو... بلکہ تم یہاں آئے کیسے؟"

"دروازے سے"۔ اس کی آواز ابھری۔

آواز سن کر وہ اور حیران ہوئے... اس قدر باریک آواز انہوں نے شاید پہلی بار سنی تھی۔

"اوہو... تمہیں ہوٹل میں کس نے داخل ہونے دیا؟" سام چلا اٹھا۔

"پیروں نے"۔ وہ بولا۔

"واہ... کیا جواب ہے"۔ لڑکا بولا۔

"ابھی اور سنو گے بچے"۔ وہ اس سے بولا۔

"شش... شکریہ"۔ لڑکے نے فوراً کہا۔

"بے چارے شکریے کے دو ٹکڑے کر دیے"۔ عجیب سے آدمی

نے منہ بنایا۔

"کک..... کیا طلب؟" منور علی خان زور سے اچھلے۔

"اس قدر اچھلنا اچھا نہیں"۔ اس آدمی نے ہنس کر کہا۔

"لل..... لیکن"۔ منور علی خان گڑبڑا گئے۔

"کیا ہوا؟" وہ بولا۔

"میں شکاری ہوں..... میں تو ساری عمر اچھلتا کودتا رہا ہوں..... میرا مطلب ہے جنگلوں میں"۔

"وہ اچھلنا کودنا اور بات ہے..... یہ اچھلنا کودنا اور"۔

"اب میں یہاں اچھلنے کودنے پر لیکچر تو سننے سے رہا"۔ منور علی خان نے منہ بنایا۔

"تو نہ سنیں..... ان سے میری باتیں سنیں"۔ اس نے سام کی طرف دیکھا۔

"میں ابھی بیروں کی فوج کو بلاتا ہوں..... وہ تمھیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے"۔ سام بولا۔

"ضرور..... کیوں نہیں..... وہ بے چارے تو مجھے اندر داخل ہونے سے نہیں روک سکے..... اٹھا کر مجھے کیا پھینکیں گے"۔

"آخر وہ کیوں نہیں روک سکے؟"

"انھی سے کیوں نہیں پوچھ لیجیے..... ان سے پوچھنے میں زبان گھستی ہے کیا؟"

"ابھی لو"۔ یہ کہہ کر سام نے دیوار میں لگا گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ فوراً" ہی ہیڈ بیرا اندر آ گیا..... اس کی شکل پر اڑھائی بج رہے تھے۔

"کیا ہوا تمھیں..... کیوں بخار چڑھا ہوا ہے"۔

"سر..... میں سر"۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"کیا ہو گیا ہے بھئی؟"

"سر! آپ نے مجھے ان صاحب کے بارے میں پوچھنے کے لیے بلایا ہے نا"

"ہاں بالکل! یہ کون صاحب ہیں..... اور تم نے انھیں اندر کیوں آنے دیا..... میرا مطلب ہے یہاں..... گاہک کی حیثیت میں یہ ہال تک تو آ سکتے تھے"۔

"یہی تو عجیب بات ہے سر"۔

"آخر کیا..... کچھ بتاؤ بھی تو"۔

"جب یہ اندر داخل ہونے لگے..... تو بیروں کو جیسے سانپ سونگھ گیا..... یہ سیدھے ہال میں سے گزر کر اندر جانے لگے..... لیکن کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی..... کہ ان سے پوچھ لیتا..... یہ اندر کہاں جا رہے ہیں..... یہ رہائشی حصہ نہیں ہے..... پرائیویٹ حصہ ہے..... لیکن ہم میں سے کوئی ان سے نہیں پوچھ سکا"۔

"یہی میں پوچھنا چاہتا ہوں..... آخر کیوں؟"

"آپ پوچھ کر دکھا دیں"۔ ہیرے نے منہ بنایا۔
"کیا مطلب... یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"
"آپ زیادہ سے زیادہ نوکری سے نکال دیں گے نا... اور اس سے زیادہ کیا کریں گے"۔
"ہائیں ہائیں... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"
"میں نے کہا نا... پہلے آپ تو پوچھ کر دکھائیں ان سے... یہ کون ہیں... یہاں اندر کس طرح گھس آئے"۔
"ان سے پوچھ چکا"۔ سام بڑبڑایا۔
"تب پھر... انہوں نے کیا بتایا؟
"کہتے ہیں اپنے ہیروں سے پوچھیں... ہیروں سے پوچھ رہا ہوں تو وہ الٹا سیدھا جواب دے رہے ہیں... آخر یہ سب کیا چکر ہے؟"
"الٹ پلٹ ہوتا نظر آ رہا ہے"۔ احمد مسکرایا۔
"کیا مطلب... ارے یہ کیا... تم ان صاحب سے ذرا خوف زدہ نظر نہیں آ رہے"۔
"ان سے خوف زدہ ہونے کی بات ہمیں تو ان میں نظر نہیں آ رہی"۔
"کک... کیا مطلب... تب پھر... میں کیوں خوف محسوس کر رہا ہوں"۔
ہاہاہا"۔ ہیڈ ہیرے نے قہقہہ لگایا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" سام چلایا۔
"اب آپ خود مان گئے ہیں کہ آپ انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے ہیں... اگر ہم خوف زدہ ہو گئے تو آپ ہمیں مجرم ٹھہرا رہے ہیں... یہ انصاف تو نہ ہوا"۔
"اچھا بابا... مان گیا میں... اب ذرا مجھے ان سے بات کرنے دو"۔ یہ کہہ کر سام اس کی طرف مڑا۔
"مہربانی فرما کر آپ بتائیں... کیا چاہتے ہیں؟"
"آپ یہ ہوٹل میرے ہاتھ بیچ دیں... یوں بھی اب اس کی بہت بدنامی ہو چکی ہے... گاہک تو اب کوئی آئے گا نہیں یہاں... اس وقت بھی ہال میں الو بول رہے ہیں"۔
"کک... کیا کہا... ہال میں الو بول رہے ہیں... ایک منٹ... میں ابھی آتا ہوں"۔ احمد نے بے چین ہو کر کہا۔
"کہاں چل دیے؟" منور علی خان نے جل کر کہا۔
"الو دیکھنے جا رہا ہوں"۔
"ارے بابا... یہ محاورۃ" الو بول رہے ہیں... وہاں سچ مچ الو تو نہیں ہیں"۔
"اوہ! میں تو خوش ہو گیا تھا"۔ احمد نے مایوس ہو کر کہا۔
"کیا تم الو دیکھنے کے لیے اس قدر بے چین ہو"۔ منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"جی.... جی ہاں.... بہت تعریف سننے میں آتی ہے اس کی"۔

"میرے ساتھ چلنا.... اتنے الو دکھاؤں گا.... اتنے الو دکھاؤں گا.... کہ تم خود کو الو سمجھنے لگو گے"۔

"خیر یہ تو نہیں ہو گا"۔ وہ مسکرایا۔

"کیا نہیں ہو گا"۔

"یہ کہ میں الوؤں کو دیکھ کر خود کو الو محسوس کرنے لگوں.... اور یہ اس لیے نہیں ہو گا کہ میں تو پہلے ہی خود کو الو خیال کرتا ہوں"۔

"حد ہو گئی"۔ عجیب آدمی نے جھلا کر کہا۔

"کیا ہوا؟" منور علی خان نے فوراً کہا۔

"کچھ نہیں.... مجھے ان سے بات کرنے دیں.... ہاں تو آپ یہ ہوٹل فروخت کر رہے ہیں یا نہیں"۔

"بالکل.... بالکل"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"تب پھر لگائیے اس کے دام"۔

"آپ.... آپ خود ہی لگا لیں"۔

"تین روپے"۔

"کیا کہا.... تین روپے کا ہوٹل"۔

"ہاں.... ساز و سامان اور بیروں سمیت.... میں یہ ہوٹل تین روپے کا خریدنے کے لیے تیار ہوں اور اگر یہ رقم کم محسوس ہوتی ہے.... تو زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین روپے کا لے سکوں گا"۔

"ٹھیک ہے.... مجھے یہ سودا منظور ہے"۔

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر"۔ ہیڈ بیرا چلایا۔

"تم چپ رہو یہ میری چیز ہے"۔

"اس میں شک نہیں"۔

"تمام بیروں کو بلا لو.... اس تہ خانے کو خالی کر دیں.... اس کو دھو کر صاف کر دیں.... یا اس کو بالکل بند کرا دیں.... اب ہم اس ہوٹل کو نئے سرے سے چلائیں گے"۔

"نئے سرے سے.... کیا مطلب؟" سام نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے"۔ وہ بولا۔

"او کے.... آپ پہلے مجھے فارغ کر دیں"۔

اس عجیب آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈالا.... منور علی خان' احمد اور باقی بیرے حیرت زدہ انداز میں اس سودے بازی کو دیکھ رہے تھے.... جب اس عجیب آدمی کا ہاتھ باہر آیا تو وہ اور حیران ہوئے.... اس کے ہاتھ میں ایک پانچ روپے کا نوٹ تھا.... نوٹ حد درجے پرانا اور کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔

"یہ لو.... ڈیڑھ روپیہ واپس دے دو"۔

"مم.... میرے پاس تو ٹوٹے ہوئے پیسے نہیں ہیں"۔

"یہ برا ہوا! اب میں تم سے ڈیڑھ روپیہ کیسے واپس لوں گا.... ارے ہاں.... تم اپنے بیروں سے اس نوٹ کو کیوں نہیں تڑوا لیتے"۔

"نہیں جناب! میں یہ پانچ روپے کسی کو نہیں دے سکتا... یہ ایک ہوٹل کی قیمت ہیں"۔

"غلط... یہ سارا نوٹ ہوٹل کی قیمت نہیں... اس میں سے صرف ساڑھے تین روپے"۔

"اوہ ہاں! میں غلط کہ گیا... اچھا ٹھہریں... میں کوشش کرتا ہوں"۔

"لیکن... ذرا خلوص سے کوشش کرنا... آج کل جو کوشش بھی کی جاتی ہے... وہ خلوص سے خالی ہوتی ہے"۔

سام نے برا سا منہ بنایا... جیبوں کی تلاشی لی اور بہت کوششوں کے بعد ایک روپیہ نکل سکا... باقی نوٹ بڑے بڑے تھے۔

"آپ اس سے کام نہیں چلا سکتے"۔

"خیر... یوں ہی سہی"۔ اس نے نوٹ لے لیا۔

"اب میں اجازت چاہتا ہوں"۔

"ضرور... کیوں نہیں"۔

"میں اپنا سامان لے سکتا ہوں... ذاتی سامان"۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... ارے ہاں رسید لکھ دیں کہ آپ نے یہ ہوٹل چار روپے میں فروخت کر دیا ہے... یہیں بیٹھ کر رسید لکھ دیں"۔

"اچھا"۔ اس نے فوراً کہا۔

"کیا اب ہم جال سے باہر آ سکتے ہیں"۔ احمد نے جھنا کر کہا۔

"اوہ! مجھے خیال نہیں رہا... ویسے تم دونوں اگر چاہو تو اس ہوٹل میں بطور بیرا ملازمت کر سکتے ہو... وہ عجیب آدمی پہلی مرتبہ مسکرایا۔

"کیا کہا"۔ احمد نے چیخ کر کہا۔

"اس قدر بلند آواز میں بات نہ کریں... میں ذرا ڈرپوک واقع ہوا ہوں"۔

"کیا کہا... ڈرپوک اور آپ"۔ منور علی خان بولے۔

"ہاں! ڈرپوک اور میں"۔ وہ مسکرایا۔

ادھر سام بیٹھا رسید لکھ رہا تھا۔

"ہاں جناب! آپ کا نام"۔

"بھئی کچھ بھی لکھ دو"۔

"نہیں جناب! آپ کا نام ہی لکھنا ہو گا"۔

"اچھی بات ہے... جان عالم لکھ دیں"۔

اس نے رسید لکھی... دستخط کیے... اور کاغذات ان کے حوالے کرتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں جا رہا ہوں... میرے ساتھ کسی بیرے کو بھیج سکتے ہیں... تاکہ وہ دیکھ لے میں صرف اپنا سامان لے جا رہا ہوں"۔

"اس کی ضرورت نہیں... جونہی تم کسی اور چیز کو ہاتھ لگاؤ

گے.... ہاتھوں کی حرکت بند ہو جائے گی"۔

"اوہ.... اوہ"۔ اس کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"کیا واقعی ایسا ہو گا"۔

"تجربہ کر کے دیکھ لیجیے گا"۔

سام چلا گیا۔

"تم لوگوں کو اس تہ خانے کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں' ان پر عمل کرو.... ان دونوں کو اس جال سے نکال دو"۔

انہیں جال سے رہائی مل گئی.... اب اس نے کہا۔

"آئیے میرے ساتھ"۔

وہ انہیں رہائشی حصے کے ایک کمرے میں لے آیا.... یہاں کچھ اور لوگ بھی تھے.... منور علی خان نے جلدی جلدی انہیں گنا.... پھر چونک کر بولا۔

"ہوں تو میرا اندازہ درست تھا"۔

"اپنا اندازے کو زبان پر لانے کی ضرورت نہیں"۔ عجیب آدمی نے کہا۔

"لیکن مجھے"۔ منور علی خان کہتے کہتے رک گئے.... کیونکہ اسی وقت اس نے انہیں ٹوک دیا تھا۔

"پھر وہی"۔

"اوہ اچھا.... لیکن یہ کیسے ہو گیا.... میں نے تو سنا تھا"۔

"آپ نے جو سنا تھا.... اس کی بات چھوڑیں.... ہمیں بس اپنا کام کرنا ہے.... ذہن میں آنے والے سوالات کا گلا گھونٹتے چلے جائیں"۔

"اوہ اچھا"۔ انہوں نے سر ہلایا.... ایسے میں ایک دوسرے صاحب بولے۔

"لیکن مارے بے چینی کے ان کا برا حال ہے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"ظاہر ہے.... وہ تو ہو گا"۔

"تب پھر.... کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ان کی بے چینی دور کر دی جائے"۔

"اس.... اس کی واقعی ضرورت ہے"۔ منور علی خان فوراً بولے۔

اب وہ سب ایک اور کمرے میں آ گئے.... اس کمرے میں عجیب و غریب چیزیں رکھی ہوئی تھیں.... یوں لگتا تھا جیسے وہ کمرہ کسی جادوگر کا کمرہ ہو"۔

"یہ.... یہ کیسا کمرہ ہے؟"

"ظاہر ہے.... یہ جادوگروں کا کمرہ ہے.... لیکن حقیقت میں یہ ایک مسلمان کا کمرہ ہے"۔

"آپ... آپ کا مطلب ہے... کوئی جادوگر مسلمان نہیں ہو سکتا"۔

"جو آدمی ہر وقت حرام کام کرے... وہ مشکل سے ہی مسلمان کہا جا سکتا ہے"۔

"ہوں... خیر... مطلب یہ کہ یہ کمرہ کسی جادوگر کا نہیں"۔

"نہیں... اب میں آپ کو تفصیل سے ساری بات بتاتا ہوں"۔

"اور یہ تفصیلی بات چیت کوئی نہیں سنے گا"۔

"نہیں... اس کمرے کی آواز باہر نہیں جا سکتی... کوئی کتنا ہی زور لگا لے... آواز نہیں سنی جا سکے گی... اس کا انتظام کر لیا گیا اور یہ کہ اس انتظام میں ہمارے کئی دن لگ گئے ہیں"۔

"تب پھر میں اعلان کرتا ہوں... میں اپنوں کے درمیان ہوں"۔ منور علی خان بولے۔

"یہ بات تو اب پرانی ہو چکی"۔ انسپکٹر جمشید کی آواز خالی رہی... وہ عجیب آدمی کے روپ میں تھے۔

"پھر بھی میں کہنے پر خود کو مجبور پا رہا تھا"۔

"اچھا خیر... کوئی بات نہیں"۔

اب انہیں سارے حالات تفصیل سے سنائے گئے۔

"اور وہ سمندر میں غرق ہونے والی کہانی؟" منور علی خان بولے۔

"ہم نے وہ لڑائی... اپنے ایک دیکھے بھالے جزیرے کے پاس لڑی تھی... اور ہمیں اندازہ تھا کہ جونہی آب دوز کے پرخچے اڑیں گے... ہم تیر کر اس جزیرے تک جا سکیں گے... لہٰذا اس کے پرخچے اڑنے سے پہلے ہی ہم غوطہ خوری کے لباس میں آب دوز سے نکل آئے تھے... اس کے فوراً بعد وہ ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئی... لہٰذا دشمنوں نے خیال کیا کہ آب دوز کے ساتھ ہمارے بھی ٹکڑے ہو گئے... پھر ہم اس جزیرے پر چلے گئے"۔

"یہاں تک تو ٹھیک ہے... لیکن قوبا کو کیوں نہیں پتا چلا... جزیرے پر آنے کے بعد تو وہ دیکھ اور سن سکتا تھا"۔

"نہیں... جب اسے بتا دیا گیا کہ ہمیں ختم کر دیا گیا ہے... اور ہمارے ٹکڑے اڑتے آنکھوں سے دیکھ لیے گئے ہیں... تو اس کی توجہ ہماری طرف نہیں رہ گئی تھی... وہ صرف اس طرف دیکھ سکتا ہے... جس طرف توجہ دے... یہی دو کمزور پہلو ہیں اس کے... ایک پانی والا... دوسرا توجہ والا... ہم نے جزیرے پر اتنے دن گزارے کہ اسے یقین ہو گیا... ہم مارے جا چکے ہیں"۔

"لل... لیکن"۔ منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ہاں... کہیے... کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"وہ تو ایک دن بعد ہونے والے... یا ایک ماہ بعد ہونے والے واقعات ایک دن پہلے یا ایک ماہ پہلے دیکھ لیتا ہے... کیا اس نے نہیں

دیکھا کہ آپ لوگ زندہ ہیں"۔
"نہیں.... اصل بات وہی ہے توجہ والی.... آج بھی اگر کوئی اسے خیال دلا دے کہ ہم لوگ زندہ ہیں تو وہ ضرور اس صورت میں ہمیں دیکھ لے گا"۔
"اوہ.... اوہ"۔ ان کے منہ سے نکلا.... پھر وہ چونک کر بولے۔
"لیکن.... یہ اس ہوٹل کو خریدنے کا کیا مسئلہ ہے"۔
"تو یا سے جنگ کے لیے ہمیں کسی جگہ کی ضرورت تھی اور وہ جگہ اس ہوٹل کی صورت میں ہمیں مل گئی.... اب ہمیں اس ہوٹل کو اس قابل بنانا ہے کہ اس کی توجہ اس طرف نہ ہو سکے"۔ انھوں نے کہا۔
"اوہ.... اوہ.... لیکن یہ کیسے ہو سکے گا"۔
"ہم اس کے چاروں طرف پانی کی حد قائم کریں گے"۔
"پورے ہوٹل کے گرد پانی کی حد.... کیا کہہ رہے ہو جمشید"۔ منور علی خان بولے۔
"پروفیسر داؤد اور پروفیسر عقلان ہمارے ساتھ ہیں"۔
"اوہ.... تو یہ پروفیسر عقلان ہیں.... میں اس وقت تک انہی کے بارے میں الجھن میں رہا ہوں"۔
"اور ہمارے بارے میں انکل"۔ شوکی کی آواز ابھری۔
"حد ہو گئی شوکی.... یہ تم ہو.... میں خیال کر رہا تھا.... تم آصف

ہو"۔
"اس بار میک اپ کے سلسلے میں حیرت انگیز چیزیں استعمال کی گئی ہیں.... اور اب آپ کا حلیہ بھی تبدیل کرنا پڑے گا"۔
"سوال یہ ہے کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟"
"اس کی بہت ضرورت ہے.... ہمیں کسی وقت ہوٹل سے باہر بھی جانا پڑتا ہے"۔
"اوہ اچھا"۔ ان کے منہ سے نکلا۔
عین اس وقت ہوٹل کے ہال میں ایک دھماکا ہوا.... وہ بری طرح اچھلے۔
"یہ.... یہ کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
"پپ.... پتا نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔
اور پھر وہ باہر نکل کر ہال کی طرف دوڑ پڑے۔

○☆○

رائے میں وزن

صحن میں سام کی لاش پڑی تھی.... اس کے دل کے پاس سے خون ابل رہا تھا... اور جسم ابھی تک تڑپ رہا تھا... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھتے رہے... آخر انسپکٹر جمشید نے ہیڈ بیرے کی طرف دیکھا۔

"یہ... یہ کیسے ہوا؟"

"کچھ پتا نہیں چلا جناب... ہال میں آتے ہی انہوں نے اپنی جیب سے پستول نکالا... دل کے مقام پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا... اس سے پہلے کسی کو احساس تک نہیں ہو سکا تھا کہ یہ ایسا کرنے والے ہیں۔"

"حیرت ہے... کمال ہے... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی"۔

"کہیں ہوٹل فروخت ہونے کا صدمہ نہ ہوا ہو انہیں؟" شوکی نے کہا۔

"اس سے بھی پہلے میں تو اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ اس نے ساڑھے تین روپے میں ہوٹل فروخت کیسے کر دیا؟" محمود علی فون بولے۔

"یہ ایک راز کی بات ہے... پھر کسی وقت بتاؤں گا.... فی الحال ہمیں پولیس کو فون کرنا ہو گا... نہ جانے اس علاقے میں آج کل کون لگا ہوا ہے"۔

"جو بھی ہے... آ ہی جائے گا"۔

انسپکٹر جمشید نے بدلی ہوئی آواز میں فون کیا... واردات کے بارے میں بتایا اور ریسیور رکھ دیا... پھر ان سے بولے۔

"آواز جانی پہچانی نہیں ہے.... ضرور کوئی ناواقف ہے"۔

"اللہ مالک ہے... ویسے انکل.... اگر اس وقت یہاں کوئی واقف پولیس آفیسر آ جائے... تو کیا آپ اسے بتا دیں گے... ہم کون ہیں"۔

"نہیں! یہ بات تو فی الحال کسی کو بھی نہیں بتائی جا سکتی"۔

"تب پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے... کہ آنے والا واقف ہے یا ناواقف"۔

"ہاں! یہ تو ہے"۔

"آخر پولیس وہاں پہنچ گئی... آنے والے سب انسپکٹر کا نام شہزاد تھا... اور شکل صورت سے بہت سخت قوی جان پڑتا تھا۔

"یہ کس نے کیا؟" اس کا لہجہ بھی بہت اکھڑ تھا۔

"اس نے خود... یہ خودکشی کا کیس ہے... فرش پر پڑا پستول اس بات کی گواہی دے گا"۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں"۔
"یہ ہے کون.... کیا آپ لوگ اسے جانتے ہیں؟"
"جی ہاں.... تھوڑی دیر پہلے تک یہ اس ہوٹل کا مالک تھا.... اس کا نام مسٹر سام تھا"۔ ہیڈ بیرے نے سرسراہٹ زدہ انداز میں کہا۔
"کیا کہا.... تھوڑی دیر پہلے تک.... یہ کیا بات ہوئی.... کیا مرنے سے پہلے یہ اس ہوٹل کا مالک نہیں رہا تھا"۔
"نہیں جناب! ان صاحب نے ان سے ہوٹل خرید لیا تھا"۔
سب انسپکٹر نے انہیں گھورا۔
"آپ نے یہ ہوٹل کیوں خریدا؟"
"اچھا لگا خرید لیا"۔ وہ مسکرائے۔
"کیا مسٹر سام نے یہ ہوٹل اپنی مرضی سے فروخت کیا؟"
"ہاں جناب! اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی گئی.... یہ سب بیرے اس بات کے گواہ ہیں"۔
اس نے سوالیہ انداز میں بیروں کی طرف دیکھا۔ انھوں نے ہاں میں سر ہلا دیے.... جس کا مطلب تھا کہ ہاں! یہی بات ہے.... اس بارے میں اس سے کوئی زبردستی نہیں کی گئی۔
"بہت خوب! آپ کے پاس اتنی رقم کہاں سے آ گئی.... کیا آپ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں؟"
"کتنی رقم؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ظاہر ہے.... یہ اتنا بڑا اور شان دار ہوٹل دو چار لاکھ میں تو آپ نے خریدا نہیں ہو گا.... پچاس ساٹھ لاکھ سے کم کا یہ سودا ہرگز نہیں ہے.... بتائیے آپ نے کتنے میں خریدا؟"
"آپ کو اس سے کیا؟"
"کیا مطلب.... مجھے اس سے کیا.... آپ نہیں جانتے کہ ہوٹل کے مالک نے بقول آپ کے خودکشی کر لی"۔
"ہاں! یہی بات ہے"۔
"لہٰذا ہمیں ہر طرح سے چھان بین کرنا پڑے گی.... ہو سکتا ہے.... یہ خودکشی کا کیس نہ ہو.... اسے قتل کیا گیا ہو"۔
"کیا بات کرتے ہیں جناب! اتنے بہت سے بیروں نے اس سارے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔
"اوہ.... نہیں"۔ وہ چلایا۔
"آپ ان سے پوچھیں"۔
"ہاں بتاؤ بھئی.... باری باری.... تم نے کیا دیکھا تھا؟"
وہ سب باری باری بتاتے چلے گئے.... سب کا بیان بالکل ایک جیسا تھا۔
"اچھا خیر.... اب بتائیں.... آپ نے ہوٹل کتنے میں خریدا تھا؟"
"ساڑھے تین روپے میں"۔
"ساڑھے تین لاکھ میں.... ہرگز نہیں.... اتنا بڑا ہوٹل اور

ساڑھے تین لاکھ میں... کوئی پاگل ہو گا جو فروخت کرے گا... ارے میاں یہ تو تین لاکھ سے بھی زیادہ کا ہے... اس کا مطلب ہے... ضرور کوئی چکر ہے... آپ نے اس سے ہوٹل دھوکے سے خرید لیا' اسے صدمہ ہوا اور اس نے خودکشی کر لی... کیوں... میں نے درست نتیجہ نکالا؟" انسپکٹر نے دانت نکال دیے۔

"نہیں... بالکل غلط نتیجہ نکالا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ کیسے؟"

"میں نے ساڑھے تین لاکھ نہیں کہے"۔

"او... تو آپ نے ساڑھے تیس لاکھ کہے تھے... ہاں یہ بات ہو سکتی ہے... لیکن پھر اس نے خودکشی کیوں کی؟"

"یہ تو خیر آپ اس سے پوچھیں... میں نے ساڑھے تیس لاکھ بھی نہیں کہے"۔

"ارے بابا تو پھر آخر کتنے میں خریدا ہے... یہ ہوٹل آپ نے؟" وہ چلا اٹھا۔

"ساڑھے... تین... روپے میں... نصف جن کے پونے دو روپے ہوتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ بولا۔

"کیا کہا... ساڑھے تین روپے... کیا آپ کا دماغ خراب ہے؟"

"نہیں"۔ وہ بولے۔

"کیا اس کا دماغ خراب تھا؟" اس نے کہا۔

"نہیں"۔ وہ بولے۔

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ آپ اس سے پوچھیں... اس سارے معاملے کے گواہ ہیڈ ...ڈا اور چند دوسرے بیرے ہیں... میں نے تو یہ ہوٹل ابھی ابھی خریدا ہے... یہ اس کے ساتھ نہ جانے کب سے رہ رہے تھے... لہٰذا انہیں ...ی مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی... مرنے والے سے ضرور ہو ...ی... لہٰذا یہ ہمارے لیے کیوں جھوٹ بولیں"۔

"کیوں... تم بتاؤ... کیا یہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں جناب! اس میں کوئی شک نہیں... یہ سو فیصد درست ہے"۔

"او کے... اگر یہ واقعہ واقعی خودکشی کا ہے تو میں کیا کر سکتا ...ہا... اور اس نے اپنا اتنا بڑا ہوٹل انہیں ساڑھے تین روپے میں ...ے دیا تھا... تو مجھے اس سے کیا... مجھے تو بس قانونی کارروائی کرنا ہے... اگر اس کی انگلیوں کے نشانات اس پستول پر مل جاتے ہیں... ...ر اس کے جسم سے گولی بھی اسی پستول سے چلائی ہوئی نکلتی ہے... تو ...ں اس کیس کو خودکشی کا کیس تسلیم کر لوں گا"۔

"شکریہ جناب بہت بہت"۔ انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

معمول کی کارروائی کرنے کے بعد وہ لاش اٹھوا لے گیا... اب

وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔

"یہ کیا ہوا... اس نے خودکشی کیوں کی"۔

"اس کے دماغ میں ایک جنگ ہو رہی تھی"۔

"کیسی جنگ... یہ کہ اس نے ہوٹل ساڑھے تین روپے میں کیوں فروخت کیا"۔

"نہیں... اس بات کا تو شاید اسے احساس تک نہیں رہ گیا تھا... وہ ایک اور جنگ میں گھر گیا تھا"۔

"ایک اور جنگ... آپ تو آج ہمیں حیرت میں ڈال رہے ہیں"۔

"مجبوری ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"تب پھر... آپ ذرا وضاحت کریں نا... ویسے تو یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے یہ ہوٹل ساڑھے تین روپے میں کیوں فروخت کر دیا"۔

"یہ تو سامنے کی بات ہے... انہوں نے اس پر ہپناٹزم کیا تھا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اس کا مطلب ہے... خودکشی والی بات آپ کے لیے بھی سامنے کی نہیں ہے"۔

"نہیں... یہ بات میں اب تک نہیں سمجھ سکا۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اس لیے کہ یہ بات سامنے کی ہے ہی نہیں"۔

"تب پھر آپ کیسے سمجھ گئے؟"

"اس طرح کہ یہ شخص مردار جانوروں کا گوشت اپنے ہوٹل میں لوگوں کو کھلاتا تھا... ایسے کام کرنے والا شخص شیطان کے کہنے پر چلتا ہے... اور میرے اکسانے پر اس نے یہ شیطانی کاروبار ساڑھے تین روپے میں فروخت کر دیا... جب وہ نیچے گیا تو شیطانی خیالات نے اسے پریشان کر دیا کہ یہ تو نے کیا کیا... اب تو تیرا شیطانی دھندا ختم ہو گیا... اب تو کیا کرے گا... جب اسے کچھ نہ سوجھا تو اس نے خودکشی کر لی"۔

"لیکن ہم یہاں... سام سے مقابلہ کرنے کے لیے نہیں آئے تھے۔

"ہاں! ہم کسی اور سے مقابلہ کرنے آئے ہیں... لیکن اس کے لیے تیاری کی ضرورت تھی... اور تیاری ہم کسی ایسی جگہ ہی کر سکتے تھے... جہاں اس کا دھیان نہ جائے... اس طرف اس کا دھیان اس لیے نہیں آئے گا کہ یہاں تو پہلے ہی شیطان کا قبضہ تھا"۔

"لیکن اب تو شیطان کا قبضہ ختم ہو گیا... اور یہ بات اخبارات میں بھی آئے گی... اس طرح اسے ساری صورت حال کا پتا چل جائے گا"۔

"کل سے پہلے ہم اپنے بچاؤ کے انتظامات بھی تو کر لیں گے"۔

انسپکٹر رشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟؟"

"وہ بھی تم آنکھوں سے دیکھ لو گے"۔

یہ کہ کر انھوں نے چند فون کیے.... ایک گھنٹے بعد تین آدمی ان سے ملاقات کے لیے آ گئے۔

"تو آپ لوگ پلاسٹک کے لباس تیار کرتے ہیں"۔

"جی ہاں! کیا آپ نے اخبارات میں ہمارے اشتہارات دیکھے ہیں"۔ ایک نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"آپ ہمیں آرڈر دیں.... بہترین کام ہو گا"۔

"لیکن ہمیں ذرا مختلف چیزیں چاہئیں"۔

"آپ جو کہیں گے.... بنا کر دیں گے"۔

"بہت خوب.... ہمیں پلاسٹک کے دوہرے لباس بنوانے ہیں"۔

"دوہرے.... ہم سمجھے نہیں جناب"۔

"بھئی اکہرے پلاسٹک کا لباس بناتے ہیں نا"۔

"جی بالکل بناتے ہیں"۔

"تو ہمارے لیے ڈبل چادر کا بنائیں.... اور جس طرح میں کہتا ہوں.... اس طرح بنائیں.... قیمت منہ مانگی لے لیں"۔

"آپ پہلے سمجھائیں"۔

"او کے"۔ انھوں نے کہا۔

قریباً آدھ گھنٹے تک وہ انھیں سمجھاتے رہے.... پھر وہ چلے گئے۔

"اب کچھ بات سمجھ میں آئی"۔

"جی ہاں! بالکل"۔

"انکل.... اکرام سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے"۔ ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔

"کیوں.... کیا ہوا؟؟"

"بس ایسے ہی"۔

"لیکن ہم شہر کے کسی بھی آدمی سے رابطہ نہیں کر سکتے.... کوئی رابطہ کریں گے.... اسے معلوم ہو جائے گا ہم مرے نہیں.... زندہ ہیں"۔

"اور یہ جو آپ نے پلاسٹک لباس کے ماہرین کو بلایا ہے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"اس کی توجہ ان کی طرف ہرگز نہیں ہے.... اگر ہوتی تو اسے ان کے بارے میں پتا چلا چکا تھا"۔

"اوہ.... اچھا.... اس کا مطلب ہے.... نہ ہم انکل اکرام سے مل سکتے ہیں.... نہ کسی اور سے.... تب ہم حالات کس طرح معلوم کر سکتے ہیں؟"

"خود جائیں گے۔۔۔ پہلے ایوان صدر جائیں گے"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ صدر صاحب تو ہمارے بہت خلاف ہو چکے ہیں"۔

"ان کے خیال میں بھی ہم مر چکے ہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"اوہ ہاں! واقعی"۔

تیسرے دن پلاسٹک کے لباس بن کر آگئے۔ وہ انہوں نے پہن کر دیکھے۔۔۔۔ جب وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوئے۔۔۔۔ تو مارے ہنسی کے دوہرے ہو گئے۔۔۔ عجیب قسم مخلوق نظر آ رہے تھے۔۔۔۔ ان لباسوں میں چہرے بھی ڈھانپے جا سکتے تھے۔۔۔۔ نہ ڈھانپے جاتے تو بھی چہرے صاف نظر نہیں آتے تھے۔۔۔ گویا میک اپ کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

"ایسا لگتا ہے۔ جیسے ہم کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں"۔ شوکی کی آواز سنائی دی۔

"اچھا ہی ہے۔۔۔۔ ان حالات میں اس دنیا میں رہنے کو جی بھی نہیں چاہتا' جہاں ہر طرف شیطان کی حکومت ہو"۔

"ان شاء اللہ اب شیطان کی حکومت ختم ہو کر رہے گی"۔

"لیکن اب پروگرام کیا ہے؟"

"سب سے پہلے ہم ایوان صدر چلیں گے۔۔۔۔ اور پوچھیں گے صدر صاحب سے۔۔۔۔ وہ توبا کے قبضے میں کس طرح آئے اور یہ کہ نو

کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اس طرح ہم فوری طور پر توبا کی نظروں میں آجائیں گے"۔ شوکی نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو کیا ہوا۔۔۔۔ اب وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"بتا نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔۔ وہ اپنی پراسرار طاقت سے کام لے کر ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔۔۔۔ لیکن وہ فوج اور پولیس کے ذریعے ہمارے راستے میں بے شمار مشکلات، تو کھڑی کر سکتا ہے"۔ شوکی بولا۔

"میرے خیال میں اس وقت شوکی کی رائے میں وزن ہے"۔ خان رحمان بولے۔

"کیا واقعی"۔ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ایک ساتھ بولے۔

"بالکل۔۔۔۔ یہی بات ہے"۔ محمود نے کہا۔

"باقی لوگ کیا کہتے ہیں۔۔۔۔ وہ میری اور انسپکٹر کامران مرزا کی رائے کا ساتھ دیتے ہیں یا شوکی کی رائے کا"۔

"جی۔۔۔ اس وقت شوکی کی رائے وزنی ہے"۔ محمود نے کہا۔

"کیا کہا۔۔۔۔ کیا سب کے سب لوگ یہی رائے رکھتے ہیں"۔

"ہاں جی۔۔۔۔ بالکل"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"حیرت ہے۔۔۔۔ کمال ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"آپ کو کس بات پر حیرت ہے۔۔۔ اور کس بات میں کمال
محسوس ہوا ہے"۔ فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔
"اس بات میں کہ تم سب نے بلا جھجک یہ کہہ دیا۔۔۔ جب کہ
میرا اور انسپکٹر کامران مرزا کا خیال یہ تھا کہ تم لوگ مروت کی وجہ سے
ہماری رائے کا ساتھ دو گے"۔
"جی نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ فرحت بولی۔
"اور یہی بات کمال کی ہے"۔
"تو کیا آپ ہمیں آزما رہے تھے"۔
"ہاں بالکل۔۔۔ صدر صاحب کو چھیڑنا گویا فوراً" اعلان جنگ کو
دعوت دینا ہے"۔
"بالکل یہی بات ہے"۔ خان رحمان بولے۔
"لیکن ہم نے سوچا تھا کہ ذرا یہ رائے دے کر دیکھیں۔۔۔ تم
لوگ کیا کہتے ہو۔۔۔ سب سے پہلے ہماری رائے کی مخالفت شوکی نے
کی۔۔۔ اور یہ دیکھ کر ہمیں حد درجے خوشی ہوئی کہ باقی سب نے بھی
یہی کیا۔ انسان کو واقعی درست رائے کا ساتھ دینا چاہیے۔۔۔ یہ نہیں
کہ ہم بس یہ دیکھ لیں۔۔۔ کہ رائے ہے کس کی۔۔۔ رائے کسی کی طرف
سے کیوں نہ آئی ہو۔۔۔ ہو درست۔۔۔ یا ہم اسے درست خیال کریں اور
بس اسی کا ساتھ دے ڈالو"۔
"آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔۔۔ لیکن مجھے یہ احساس تک نہیں ہو

سکا کہ آپ ہمیں آزما رہے ہیں۔۔۔ لیکن آپ نے آپس میں یہ پروگرام
کب بنا ڈالا"۔
"ابھی ابھی۔۔۔ آنکھوں آنکھوں میں"۔
"بہت خوب۔۔۔ تو پھر۔۔۔ اب کیا کرنا ہے"۔
"یہ ہم نہیں۔۔۔ فرزانہ بتائے گی۔۔۔ اس لیے کہ ترکیبیں بتانا کام
ہے ہی اس کا"۔
"درست تیرے کی"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔
"ارے خبردار۔۔۔ یہ میرا تکیہ کلام ہے"۔ محمود بلند آواز میں بولا۔
"حد ہو گئی یعنی کہ۔۔۔ یہ کوئی تک"۔
"نہیں۔۔۔ یہاں تو کسی بات میں کوئی تک نہیں۔۔۔ جب سے نوبا
کی حکومت شروع ہوئی ہے۔۔۔ کوئی تک نہیں یہاں"۔
عین اس وقت انہوں نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔

○☆○

سلسلہ مل گیا

انہوں نے دیکھا' انسپکٹر تنویر اپنے کچھ ماتحتوں کے ساتھ چلا آرہا تھا.... وہ اس وقت اوپر اپنے کمرے میں تھے.... لیکن یہاں سے وہ ہال میں آنے والوں کو اور ان کی آوازوں کو بالکل صاف سن سکتے تھے.... کیونکہ پلاسٹک لباس کے ساتھ انہوں نے دوسری تیاریاں بھی مکمل کر لی تھیں.... اور اس قسم کے تمام کام پروفیسر داؤد اور پروفیسر عقدان نے کیے تھے' جب کہ وہ اس ہوٹل کو اپنے طریقوں کے مطابق ایک حفاظتی قلعہ بنانے میں مصروف رہے تھے۔

انسپکٹر تنویر ہال کے درمیان آ کر رک گیا۔

"کہاں ہیں وہ دھوکے باز لوگ؟" وہ دھاڑا۔

"کیا مطلب جناب.... آپ کن کی بات کر رہے ہیں؟" ہیڈ بیرا بولا۔

"وہی.... جنہوں نے اس ہوٹل کو ساڑھے تین روپے میں خریدا ہے"۔

ہیڈ بیرا اور دوسرے مسکرا دیے.... پھر اس نے کہا۔

"وہ اوپر اپنے کمرے میں ہیں"۔

"او کے.... ہمارے ساتھ اوپر چلو"۔

"چلیے جناب"۔ ہیڈ بیرا بولا۔

"سچ بتاؤ.... کیا ان لوگوں نے ہوٹل واقعی ساڑھے تین روپے میں خریدا ہے"۔

"ہاں جناب یہی بات ہے اور مسٹر سام سے ان لوگوں نے کوئی زبردستی نہیں کی.... اس بات پر حیرت ہم سب کو ہے"۔

"تم لوگوں کو.... میرا مطلب ہے.... بیروں کو یہ لوگ پسند ہیں' یا مسٹر سام پسند تھے"۔

"مسٹر سام ایک اچھے انسان نہیں تھے.... وہ واقعی مردار گوشت کھلاتے تھے.... ہمیں ان کے اس کام سے گھن آتی تھی.... لیکن ہم اپنی ملازمت کی وجہ سے خاموش رہتے.... باقی رہ گئے یہ لوگ' ان سے تو ابھی واسطہ ہی نہیں پڑا.... ویسے ابھی تک ان سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے"۔

"او کے او کے"۔ اس نے کہا۔

پھر وہ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے.... جس میں وہ موجود تھے.... انسپکٹر نے زوردار انداز میں دستک دی۔

"دروازے پر تین بار آہستہ اور چوتھی بار زور سے دستک دیں' دروازہ خود بخود کھل جائے گا"۔ اندر سے آواز آئی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر تنویر نے چونک کر کہا۔

"مطلب کس بات کا پوچھ رہے ہیں آپ"۔

"آپ خود دروازہ کھولیں"۔

"ہم ذرا مصروف ہیں.... جس طرح آپ کو بتایا ہے.... آپ دستک دے دیں.... دروازہ کھل جائے گا"۔

"تم دستک دو.... میں ان کا نوکر نہیں ہوں"۔

"جی اچھا"۔ ہیڈ بیرے نے کہا اور دستک دی.... دروازہ کھل گیا۔

"کیا یہ دروازہ جادو کا ہے؟" سب انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں جناب! وہ آپ نے کہانی تو پڑھی ہی ہو گی بچپن میں"۔ فاروق چہکا۔

"ہنک.... کون سی کہانی؟"

"کھل جا سم سم والی کہانی"۔

"او ہاں! میری ماں نے مجھے سنائی تھی"۔ اس نے فوراً کہا۔

"بس تو پھر.... اگر اس زمانے میں دروازے اس طرح کھل سکتے تھے تو اس زمانے میں کیوں نہیں کھل سکتے"۔

"لیکن ہم نے کھل جا سم سم تو نہیں کہا"۔ تنویر بولا۔

"تین بار آہستہ اور ایک بار زور سے دستک تو دی ہے نا"۔ انسپکٹر جمشید نے بیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یس سر"۔

"اس کا مطلب ہے.... کھل جا سم سم"۔ وہ مسکرائے۔

"نہیں.... میں جاننا چاہوں گا.... دروازہ کس طرح کھل گیا.... ارے ہاں.... میں سمجھ گیا.... دراصل دروازہ آپ میں سے کسی نے اٹھ کر کھولا تھا"۔

"تب پھر آپ ہمارے ساتھ اندر رہیں.... ہم دروازہ بند کر دیتے ہیں.... ایک بار پھر بیرے صاحب دروازہ کھول کر دکھائیں گے.... میرا مطلب ہے.... دستک دیں گے اور ہم اپنی جگہ سے نہیں اٹھیں گے"۔

"بہت خوب! یہ تو کرنا ہو گا"۔

"آ جائیے پھر اندر"۔

سب انسپکٹر اندر آ گیا.... پروفیسر داؤد نے تین بار آہستہ سے اور ایک بار زور سے چٹکی بجائی.... دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"ارے یہ کیا.... یہ تو بند بھی خود بخود ہو گیا"۔

"ہاں.... چلو بھئی.... دستک دو"۔

بیرے نے دستک دی دروازہ کھل گیا۔

"حیرت ہے.... کمال ہے"۔ تنویر بھونچکا نظر آیا۔

"نہ حیرت ہے.... نہ کمال ہے"۔ آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"کیا کہا.... نہ حیرت ہے.... نہ کمال ہے"۔

"ہاں جناب! آج کے دور میں یہ کیا مشکل کام رہ گیا ہے....

ارے صاحب.... یہ زمانہ ریموٹ کنٹرول کا ہے.... آج کل تو ایسے کھلونے آ رہے ہیں.... جو چٹکی بجانے سے چل پڑتے ہیں اور چٹکی بجانے سے رک جاتے ہیں"۔

"اوہ ہاں! ایسے کھلونے میں نے دیکھے ہیں.... اپنے بچوں کے لیے خریدے بھی ہیں"۔

"کیا واقعی؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کس بات پر حیرت ظاہر کی آپ نے؟" اس نے فرزانہ کو گھورا۔

"اس پر کہ آپ ریموٹ کنٹرول کھلونے خریدتے رہتے ہیں.... اس کا مطلب ہے.... آپ رشوت لیتے ہیں"۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ غرایا۔

"رشوت لینا اور دینا.... دونوں حرام ہیں"۔

"حد ہو گئی.... آپ نے یہ کہ کیسے دیا"۔

"ریموٹ کنٹرول کھلونے بہت قیمتی ہوتے ہیں اور ہم جانتے ہیں ایک سب انسپکٹر کی تنخواہ اتنی نہیں ہوتی"۔

"حد ہو گئی.... کیا کوئی انسان خاندانی طور پر مال دار نہیں ہو سکتا"۔

"ہاں! اگر ایسی بات ہے تو میں معافی چاہتی ہوں.... اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں"۔

"اس کی ضرورت نہیں"۔ وہ مسکرایا۔

"کیا مطلب.... کس کی ضرورت نہیں؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"الفاظ واپس لینے کی.... آپ کی دھوکے بازی پکڑی گئی.... مسز سام کے جسم سے جو گولی نکلی ہے.... وہ اس پستول کی ہرگز نہیں ہے.... بلکہ اس پستول سے تو کوئی گولی چلائی ہی نہیں گئی.... اس میں پوری گولیاں موجود ہیں"۔

"کیا!!!" وہ سب دھک سے رہ گئے.... کیونکہ یہ بات انھیں ہرگز معلوم نہیں تھی۔

"ہاں جناب.... ہے نا کمال.... کیا آپ سمجھتے ہیں.... پولیس والے عقل سے بالکل پیدل ہوتے ہیں"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"جی نہیں.... ہم ہرگز ایسا نہیں سمجھتے"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"تب پھر آپ نے دھوکا دینے کی کوشش کیوں کی"۔

"تمام بیروں سے آپ سوالات کر چکے ہیں.... ان سے پھر سوالات کر لیں.... ہمیں کوئی اعتراض نہیں.... لیکن واقعہ یہی ہے.... جو ہم نے بتایا ہے"۔

"ہرگز نہیں.... وہ گولی جو اس کے جسم سے نکلی ہے.... محفوظ ہے.... اس پر نشانات اس پستول کے نہیں ہیں.... بلکہ وہ گولی تو اس پستول کی ہے ہی نہیں"۔